انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ

حیاتِ نو

دہلی

مدیر اعزازی: محمد انس فلاحی مدنی

جلد-۸، شمارہ ۱۰-۱۲ | اکتوبر-دسمبر ۲۰۲۲ء | ربیع الاول-جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 9634920066 | انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں: 9634920066

ای میل: Hayatenau1978@gmail.com

فی شمارہ	:	اندرون ملک	۳۰/روپے
		بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:		۱۰۰روپے
سالانہ زرتعاون	:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
		بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
		بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

مجلس ادارت

۱-ڈاکٹر ملک ضیاء الدین فلاحی
۲-عبداللہ زکریا فلاحی
۳-تنویر آفاقی فلاحی
۴-امتیاز وحید فلاحی
۵-عبدالرحمٰن زریاب فلاحی
۶-نجم الہدیٰ ثانی فلاحی

ہمارے نمائندے

۱- ظفر اثری فلاحی، لندن
۲-موسیٰ کلیم فلاحی، متحدہ عرب امارات
۳-حسن حبیب فلاحی، نیپال
۴-فیاض احمد فلاحی، قطر
۵-محمد سموئیل فلاحی، کویت
۶-ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی، سعودی عرب
۷-ذوالقرنین حیدر فلاحی، ملیشیا

★ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگوانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

★ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-11002! **Edited by: M. Anas Falahi**

نقوشِ حیات

اداریه	مدیر اعزازی	۳
تعزیتی بیان	صدر انجمن	۷
قرآنیات		
سورۂ القصص: افادات جلیل احسن ندویؒ	ظفر احمد الاثری	۸
تلاوت قرآن: مستقل مطلوب عمل (دوسری قسط)	محمد انس فلاحی مدنی	۲۱
بحث و نظر		
اسلام کے معاشی نظام کی امتیازی خصوصیات	پروفیسر عبد العظیم اصلاحی	۳۰
گوشۂ مرحومین		
دیارِ شبلی کا رجلِ عظیم ابو البقاء ندویؒ	ڈاکٹر تابش مہدی	۳۸
مولانا سید جلال الدین عمریؒ: کچھ یادیں، کچھ باتیں	مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی	۴۵
مولانا نظام الدین اصلاحیؒ - جرأت و بے باکی اور جہد مسلسل کا ایک نام	مولانا محمد اسماعیل فلاحی	۵۴
علامہ قرضاوی مرحوم: ایک زبردست مجاہد صفت امام	احمد سامی الکومی	۶۱
محترم اباجان (جناب منشی محمد انورؒ): کچھ یادیں کچھ باتیں	ڈاکٹر تمنا مبین اعظمی	۶۷
میرے بڑے ابو (محمد منشی انور صاحبؒ)	صفیہ لیال فلاحی	۷۵
تبصرہ		
قرآنی علوم کا ارتقاء عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں	محمد انس فلاحی مدنی	۸۰
اخبار جامعہ	مولانا مصباح الباری فلاحی	۸۵
اخبار انجمن	ادارہ	۸۷

موت سے کس کو رستگاری ہے!

انسان ہر لمحہ موت سے قریب ہورہا ہے۔ ہر سانس اس کی مہلت عمل کم کررہی ہے۔ وہ دوسرے کے جنازے میں شرکت اور تعزیت کرتے ہوئے اپنی موت سے غافل رہتا ہے۔ نماز جنازہ پڑھتے اور قبر میں مٹی ڈالتے ہوئے اسے یہ احساس نہیں ہوپاتا کہ وہ ساعت کب آجائے جب لوگ ایک دوسرے کو اس کی موت کی اطلاع دے رہے ہوں گے۔ اس کی نماز جنازہ کا وقت متعین ہورہا ہوگا۔ اس کے لیے قبر کھودی جارہی ہوگی۔ اہل خانہ، دوست واحباب اور ملنے جلنے والے اس کے جنازے کو قبر میں اتارنے کے لیے متعین وقت کا انتظار کریں گے، پھر اسے بھی قبر میں اتار دیا جائے گا اور لوگ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ، وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى کہتے ہوئے اس کی قبر پر مٹی ڈال رہے ہوں گے۔ اس پورے عمل کے بعد آواز لگائی جائے گی، دعائیں مغفرت کرلیں پھر لوگ آخری رسم 'سورہ فاتحہ' پڑھ کر رخصت ہوجائیں گے۔ مرزا شوق لکھنوی نے کہا تھا:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

دنیا کی تمام ترقیوں کے باوجود میڈیکل سائنس موت پر قابو پانے سے قاصر ہے اور رہے گی۔ موت جتنی یقینی ہے انسان اسی قدر اس سے غافل رہتا ہے۔ موت صرف بیمار، بزرگ اور بوڑھے لوگوں کو نہیں آتی بلکہ صحت مند نوجوان، بچے، شیرخوار بچے ان میں سے جس کی مہلت عمل پوری ہوئی، وہ رب کے حضور جا پہنچتا ہے۔ قبرستان میں صرف وہی لوگ مدفون نہیں ہیں جو بیماری کی حالت میں انتقال کر گئے بلکہ وہ بچے اور نوجوان بھی قبر کی آغوش میں سو رہے ہیں جن کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ابھی تو ان کی عمر ہی کیا ہوئی ہے۔ ابھی تو ان کے جینے کے دن ہیں۔ وہ بھی موت سے غافل دنیا میں اپنے مستقبل کے منصوبے بنارہے تھے، دنیا میں کس مقام پر پہنچنا ہے اور اس کے لیے کیا تیاریاں کرنی ہیں، سب ان کے منصوبے میں شامل رہا ہوگا؛ لیکن موت نے انھیں آلیا اور سارے منصوبے اور سپنے

ادھورے رہ گئے۔

دنیا اوراس کی ہر چیز عارضی اور فانی ہے۔افسوس!انسان اس دنیا کی چندروزہ زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کرتا ہے۔جسمانی طاقت اور منصب ودولت کا نشہ وغروراسے ہرحربہ اختیارکرنے کے لیےابھارتا ہے؛لیکن مدت عمل پوری ہوتے ہی انسان کی نعش لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن جاتی ہے۔

دنیا فانی اور ہر چیز فانی،اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مومن دنیوی جدو جہد سے کنارہ کشی اختیارکرلے۔آسائش دنیا کو تیاگ دے۔اسلام دنیابیزاری کا حکم دیتا ہےاورنہ ہی دنیا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔اسلام دنیوی زندگی کا متوازن تصور پیش کرتا ہے۔مومن اس دنیا کے وسائل کو استعمال کرے،لوگوں کے لیے خیر ونفع کا ذریعہ بنے اوراس دنیوی زندگی کوتوشہ آخرت بنائے۔ اسلامی تعلیمات کی بجا آوری میں کسی طور پرغافل نہ ہولیکن دنیااس کا مطمح نظر نہ ہو۔

آسائش ونعمت کا استعمال معیوب نہیں ہے بلکہ دنیا کی نعمتوں سے حدود وآداب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اسلام لطف اندوز ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُواْ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (سورۃ الاعراف:۲۳)

''اے نبیؐ!اِن سے کہو،کس نے اللہ کی اُس زینت کوحرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھااور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو،یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں،اورقیامت کے روز تو خالصۃً انھی کے لیے ہوں گی۔''

مومن ظاہری حسن وجمال سے آراستہ ہو۔اس کی ترغیب رسول اللہﷺ نے دی ہے۔مالک بن نضلہ جشمیؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرمﷺ کے پاس گھٹیا کپڑے پہن کرآئے۔تو آپ نے فرمایا:ألک مال؟ قال: نعم، من کل المال، قال: من أی المال؟ قال: قد آتانی الله من الإبل، والغنم، والخیل، والرقیق، قال: فإذا آتاک الله مالا فلیر علیک أثر نعمة الله وکرامته (سنن النسائی،کتاب الزینۃ،باب الجلاجل،حدیث:۵۲۲۴)''کیاتمہارے پاس مال ودولت ہے؟''وہ بولے:جی

ہاں، سب کچھ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''کس طرح کا مال ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت سے نوازا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کے تم پر آثار بھی دکھائی دینے چاہییے''۔

قرآن مجید میں دنیا کی زندگی کو دھوکہ اور لہو ولعب کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُور

(سورہ لقمان: ۳۳)

''فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ دھوکہ باز تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکا دینے پائے۔''

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُور (سورۃ الحدید: ۲۰)

''دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔''

ان آیات کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے یہاں دنیا کے تعلق سے غیر متوازن اور غیر اسلامی تصور رائج ہو گیا ہے۔ یہاں پیغام یہ ہے کہ انسان اس دنیا کی زندگی کو ہی اپنا آخری مقام و منزل نہ تصور کر لے۔ دنیا کی زندگی اور اس کی آسائشیں چند روزہ ہے۔ آخرت کی زندگی ابدی ہے۔ وہاں کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس لیے مومن اپنی دنیا کو سنوارے اور بنائے ضرور لیکن وہ اس میں منہمک نہ ہو۔ دولتِ دنیا کے لیے تگ و دو تو ہو لیکن یہ دل میں جگہ نہ پالے۔ مذموم عمل اصلاً دنیا میں انہاک ہے، ایسا انہاک کہ انسان یادِ الٰہی اور فرائض منصبی سے غافل ہو جائے۔

ان آیات کی تشریح اور دنیا کی زندگی کا قرآنی تصور پیش کرتے ہوئے پروفیسر عبدالحق انصاریؒ (م: ۲۰۰۷ء) رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید نے دنیا کی زندگی کی نہ تو مطلق مذمت کی ہے اور نہ مطلق تحسین۔ نہ تمام تر شر قرار دیا ہے اور نہ تمام تر خیر۔ نہ غیر مشروط طور پر مقصود ٹھہرایا ہے اور نہ کلیۃً قابل اجتناب۔ قرآن مجید کی جن آیتوں میں کہا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی متاعِ غرور ہے، لہو ولعب ہے، خسارہ ہی خسارہ ہے، بے وزن، حقیر اور مذموم ہے، وہ آیتیں تین طرح کے افراد کے سیاق میں آئی ہیں۔ ایک ان لوگوں کے سیاق میں جو خدا اور آخرت کے منکر ہیں اور ہدایت الٰہی اور رسالت کے قائل نہیں، یا جو منافق ہیں، صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر

دل سے منکر ہیں، یا وہ جو اگرچہ زبان ودل سے منکر نہیں لیکن دین وایمان کے بنیادی تقاضوں سے مجرمانہ طور پر غفلت برتتے ہیں اور بیشتر غیر اسلامی زندگی بسر کرتے ہیں۔''
(مقصد زندگی کا اسلامی تصور، ڈاکٹر عبدالحق انصاریؒ مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ص: ۱۴۰)

زندگی اور موت کے درمیان کی مدت کب ختم ہو جائے، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ موت کا آنا یقینی امر ہے۔ دانش مند انسان وہ ہے جو اپنی موت کے بعد آنے والے مراحل کی تیاری سے غافل نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری مہلت عمل پوری ہو، ہم آنے والی زندگی کی تیاری میں مصروف ہو جائیں۔ رب سے توبہ واستغفار کریں، لوگوں سے اپنے معاملات صاف اور تعلقات بحال کریں۔ گلہ وشکوہ دور کریں اور بقیہ زندگی خوش مزاجی، خوش اخلاقی اور مومنانہ کردار کے ساتھ گزاریں۔

☆☆☆

یہ سال 'عام الحزن' رہا۔ ہماری مادر علمی جامعۃ الفلاح اور تحریک اسلامی کے کئی بزرگ ہم سے رخصت ہو گئے۔ إِنَّـا لِلّٰـهِ وَإِنَّــا إِلَيْـهِ رَاجِعون۔ ان بزرگوں میں مولانا ابوالبقاء ندویؒ (سابق ناظم جامعہ) مولانا سید جلال الدین عمریؒ (شیخ الجامعہ)، مولانا نظام الدین اصلاحیؒ (سابق صدر مدرس)، منشی محمد انورؒ (سابق نائب ناظم جامعہ) اور عالم اسلام کے مشہور ومقبول شخصیت علامہ یوسف القرضاویؒ بھی ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ۱۲؍نومبر کی صبح یہ خبر موصول ہوئی کہ عالم اسلام میں اسلامی معاشیات کی احیاء اور عملی تطبیق کے سرگرم عمل شخصیت ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقیؒ بھی رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ اس شمارے میں اول الذکر شخصیات پر تعزیتی تحریریں شامل کی گئی ہیں۔ یہ شمارہ مرحومین کے لیے خاص کیا گیا ہے۔ شمارہ آپ کے لیے حاضر ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

محمد انس فلاحی مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Anjuman Talaba-e-Qadeem Jamiatul Falah — **انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح**

Ref No. 08/09/22 Date 27/09/2022

جامعہ کے دو بزرگ محسنین مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب اور منشی محمد انور صاحب کا سانحہ ارتحال

25/ستمبر 2022 کا دن جامعہ اور متعلقین جامعہ کے لیے ایک الم ناک دن رہا۔ صبح سویرے یہ جانکاہ خبر موصول ہوئی کہ استاذ الاساتذہ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نہیں رہے اور پھر رات ہوتے ہوتے ایک اور صدمہ جامعہ کے بزرگ محسن منشی محمد انور صاحب کی رحلت کا پہنچا۔

دونوں بزرگ ادھر چند دن سے بیمار چل رہے تھے اور اعظم گڑھ میں ہی ان کا علاج کرایا جا رہا تھا، اتفاق سے مزید بہتر علاج کے لیے الگ الگ ایام میں دونوں کو لکھنو لے جایا گیا اور پھر لکھنؤ کا سفر دونوں ہی کے لیے سفر آخرت ثابت ہوا۔

دونوں ہی بزرگوں کی زندگی کا بڑا حصہ تحریک اسلامی اور اسلامی مشن کی خدمت کرتے گزرا اور دونوں ہی بزرگوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا قیمتی حصہ جامعۃ الفلاح کو دیا۔ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب ایک طویل عرصہ تک جماعت اسلامی ہند کی مختلف مقامی، علاقائی اور ریاستی سطح کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے اور منشی انور صاحب ایک طویل عرصہ تک بلریاگنج کی مقامی جماعت کی امارت کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔

مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب جامعہ میں ایک عرصہ تک اور پھر کلیۃ البنات میں ایک عرصہ تک تفسیر کا درس دیتے رہے اور ایک میقات کے لیے آپ جامعہ کے صدر مدرس بھی منتخب کیے گئے۔ آپ کے درس وتدریس اور آپ کے نظم وانتظام کے طلبہ واساتذہ سبھی قائل اور معترف رہے۔

جبکہ منشی محمد انور صاحب ایک طویل عرصے تک جامعہ کی مجلس شوری اور مجلس عاملہ کے رکن رہے، ایک میقات کے لیے آپ کو نائب ناظم بھی منتخب کیا گیا، جامعہ کو ہمیشہ آپ کی سچی اور بے لوث خدمات حاصل رہیں۔

اللہ رب العزت دونوں مرحومین کی مغفرت فرمائے، کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور حسنات کو قبول فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، اور انہیں اسی مشن پر چلائے جو مرحومین کا مشن تھا اور جس پر دونوں زندگی بھر گامزن رہے، وباللہ التوفیق۔

طالب دعا

Aboulaala

ابوالاعلیٰ سید سبحانی

صدر انجمن طلبۂ قدیم، جامعۃ الفلاح

Bilariyaganj, Azamgarh, U.P. 276121
atq.jamiatulfalah@gmail.com | www.atqjamiatulfalah.org

قرآنیات

سورۃ القصص

افادات جلیل احسن ندویؒ (۱۹۱۴ء-۱۹۸۱ء)

ظفر احمد الاثری

(آیت۲) یہ سورہ اسی خدا کی طرف سے آئی ہے اور روشن ہے اور مؤمنین کو روشنی دے گی۔

سورہ قصص کے نزول کے وقت حالات بہت سخت ہیں اور مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، ایسے وقت میں اللہ کا وعدہ دہرایا جارہا ہے۔

(آیت۳) [**بالحق**] صحیح صحیح سناتے ہیں، اس میں مؤمنین کے لیے تسلی ہے اور ان کے اندر قوت اور طاقت پیدا کرنے کے لیے یہ آیتیں اتاری جارہی ہیں۔ یہ سورہ مؤمنین کے لیے مذکّر کی حیثیت رکھتی ہے، یہ قصہ سناتی ہے اس لیے کہا جارہا ہے خدا کے ارادے نافذ ہوکر رہتے ہیں۔

(آیت۴) لوگوں نے بتلایا کہ ان کی شرح پیدائش بڑھ رہی ہے اور شرح اموات کم تھی تو اس صورتحال کو دیکھ کر انھوں نے سمجھ لیا کہ اب ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے۔

[**یذبح**] ذبح کرنے کا طریقہ پہلے سے نافذ تھا۔ اور یہ قانون نافذ تھا کہ بچوں کا قتل ان کے بچپنے ہی میں ہو جاتا تھا، عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہی صورتحال باقی تھی کہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے؛ لیکن اللہ کو منظور تھا کہ موسیٰ قتل نہ کیے جائیں اور زندہ رہیں اور فرعون کے گھر ہی میں پرورش پائیں اور اس طرح قبطی قوم کو غالب کرنا مقصود تھا۔

(آیت۴) فرعون پوری مملکت مصر میں غالب آ گیا اور پوری مملکت میں اسی کو بالا دستی حاصل تھی۔ اور اس نے اپنی مملکت میں لوگوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

[**استضعف**] زور توڑنا۔ [**طائفۃ**] اسرائیلی مسلمانوں کا زور توڑ رہا تھا اور شہریت اور اس کے حقوق سے محروم کر رہا تھا، محروم کرنے کا ایک طریقہ تھا۔

[ابناء کم] تا کہ اس نسل کا بتدریج خاتمہ ہو جائے[نساء کم]عورتوں کو باقی رکھتا تھا۔

[المفسدین] جس عدل وقسط پر زمین کا نظام قائم ہوتا ہے اس کو پکڑنے والا تھا۔

(آیت۵) مستضعفین پر احسان کرنا چاہتے تھے اور ائمہ خیر بنانا چاہتے تھے اور سیاسی اقتدار دینا چاہتے تھے۔

[نمکن] اقدامھم [ھامان] شیخ اور مذہبی پیشوا۔

[ما کانوا یحذرون](من بنی اسرائیل) ۔خطرہ یہ تھا کہ موسوی تہذیب غالب آجائے گی اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ تباہ کر دیئے گئے۔

اے مکہ کے مسلمانو! اللہ پر بھروسہ کرو کیا تم سمجھتے ہو کہ حالات ایسے ہی رہیں گے۔

(۷آیت) خواب دکھلا دیا ہوگا کہ اگر موسیٰ کے بارے میں خطرہ ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دے۔

[الیم] جس کا پانی کبھی بھی خشک نہیں ہوتا ہو۔

[لا تحزنی] موسیٰ کا گود سے چلے جانے سے افسوس نہ کرنا۔[جاعلوہ] پیغمبر بنانے والے ہیں، یہ خواب میں دکھایا تھا۔

(آیت۸)[لیکون]ل علت کے لیے ہے، نتیجہ کے معنی میں۔

نتیجہ یہ ہوا وہ تباہ کن ثابت ہوا، وہ غلط کار ثابت ہوئے اور وہ غلطی پر تھے جو وہ سوچ رہے تھے کر نہیں پائے۔

(آیت۹)[لا یشعرون] کوئی نہیں جانتا تھا کہ موسیٰ کے ہاتھ سے فرعونی اقتدار غرق ہوگا۔

(آیت۱۰)[فـارغ] کسی توکل سے دریا میں ڈالا تھا، تو ان کا دل توکل سے خالی ہو گیا۔ دوسرا مطلب یہ کہ موسیٰ کی یاد میں ان کا دل لگ گیا، وہ گھبرانے لگی کہ اب کیا ہوگا، کہیں موجوں میں تابوت غرق نہ ہو جائے۔ یہی رائے استاد محترم کی ہے۔

[فرغ له] کسی چیز میں یکسوئی کے ساتھ لگ جاتا۔ کہتے ہیں۔هذا الطالب فرغ للعلم.

[کادت لتبدی به] موسیٰ کے راز کو۔

[لتکون]انطباقا لتکون من المسلمین ۔تا کہ وہ اپنے اللہ پر بھروسہ کرنے والی ہو جائے۔یعنی کسی طرح سے خدا کی طرف سے اس کو تسلی دی ہوگی۔ یا کوئی اور ذریعہ رہا ہوگا۔

(آیت۱۱)[قُصّیه] ای تتبعی اثری[فبصرت] دور سے دیکھا۔[و هم لا یشعرون]ان کی بہن کو نہیں جانتے تھے۔ سب پر محبت کی چادر ڈال دیا تھا۔ اس لئے سب لوگ راضی ہو گئے اور اس لئے کہ

انھیں زندہ باقی رکھا۔
(آیت۱۲) اور موسیٰ کو منع کر دیا کہ کسی کی چھاتی کا دودھ نہ پینا۔
[**یکفلون**] سرپرستی کریں گے۔[**ناصحون**] خیر خواہ ہوں گے۔
(آیت۱۳) اس طرح ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔
(آیت۱۴) جسمانی اور فکری، تمام صلاحیتوں سے۔
[**استوی**] اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگئے [**اتینا**] انتہائی حکمت اور انتہائی علم سے نوازا یعنی نبوت سے نوازا۔
[**کذالک**] وہ نبوت سے پہلے بھی بہت سے اعلی درجے کے آدمی تھے اس لیے انھیں اعلی درجے کے مقام پر کھڑا کیا۔
[**علی حین**] حال ہے [**غفلة**] مشتمل۔
(آیت۱۵)[**ودخل المدینة مشتملا علی حین غفلة من اھلھا**]
باشندوں کی ناواقفیت پر مشتمل ہوکر، باشندے نہیں جانتے کہ یہ اسرائیلی ہیں۔
[**علی حین جھا لة من اھلھا**] **الثانی**[**علی**] **بمعنی فی**۔
[**اھلھا**] **کانوا غافلین عنه**[**شیعته**] یہ اسرائیلی تھا، دوسرا قبطی تھا۔
[**قضی**] گھوسا نے کام تمام کر دیا۔
[**ھذا**] موسیٰ نے کہا کہ یہ شیطان کا عمل ہے، ہم سے زور سے لگ گیا ہے۔[**انه علو**] وہ گمراہ کرنے والا ہے۔
(آیت۱۶) اس کے بعد معافی مانگی۔ مارنے کا قصد نہیں تھا لیکن وہ مر گیا، بندہ برابر لغزش کو غلطی سمجھتا ہے۔
(آیت۱۷)[**بما انعمت**] ہماری غلطی کو معاف کیا اور دشمن کے ہاتھ پرورش کی، اس کی وجہ سے قسم کھاتا ہوں کہ میں کسی مجرم کی پشت پناہی نہیں کرونگا۔ بتلانا ہے، ہمیں کسی مشرکانہ نظام کا ساتھ نہیں دینا ہے۔
[**لغوی مبین**] محض اس وجہ سے تحقیق نہیں کی تھی۔
(آیت۲۰) شہر کے دور دراز علاقے سے آیا اور بتلایا کہ آپ کے بارے میں لوگ قتل کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اس لئے مصر سے نکل جائیں۔
[**یترقب**] ادھر ادھر دیکھتے ہوئے۔[**خائفا**] ڈرتے ہوئے۔
(آیت۲۲) جب مدین کی طرف قصد کیا تو انھوں نے کہا ہمیں ہمارا راستہ یہاں بھی وہی دکھائے گا اور

آخرت کی راہ وہی دکھائے گا۔ چنانچہ وہ بالکل صحیح سلامت مدائن پہنچ گئے۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اور انھوں نے خدا پر بھروسہ کیا اس لئے وہ پہنچ گئے۔

(آیت ۲۳) [**ورد**] وصل، [**انــه**] یہ رجال ہیں۔ [**تـذود**] روک رہی تھیں اور ہٹا رہی تھیں، اپنے اونٹوں کو دور جانے سے روک رہی تھیں، ان کا فرض تھا کہ ان کے اونٹوں کو پانی پلا کر دن میں بھیج دیتے۔

[**ما خطبکما**] تم دونوں عورتیں یہاں کیوں ہو اور اونٹ کو چرانے کیوں آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ان سوالات کے ذریعہ ان کی بے چارگی اور بے بسی کو اس میں لپیٹ لیا ہے اور مجمل انداز بیان کر دیا ہے کہ کیوں اس گھاٹ میں انتظار کر رہی ہو۔

[**یصدر**] **ارجعه**، پانی لے کر لوٹانا۔ [**شیخ کبیر**] یہ پیغمبر نہیں ہیں بلکہ شعیبؑ کے کوئی متبع ہیں۔

(آیت ۲۴) ضعیف کی مدد کرنے کا جو جذبہ تھا اس کے اندر ابھر آتا ہے اور ان کی مدد کی۔ موسیٰؑ یہاں اکیلے تھے اور کوئی بھی انھیں جاننے والا نہیں تھا۔

[**ثم تولی الی الظل**] سایہ میں جا بیٹھے۔ [**یسقون**] کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ شام کا وقت ہے۔

(آیت ۲۴) یہ محتاجی کا وقت ہے اور ہر چیز نئی ہے اس لئے وہ دعا کرتے ہیں جو چیز آپ میرے لئے اتار دیں گے اس کا محتاج ہوں یعنی ہر چیز کے لئے محتاج ہوں۔

(آیت ۲۵) [**احدهما**] ان میں سے ایک آئی اور سکون واطمینان سے چل رہی تھی۔

[**علی استحیاء**] شدید حیا پر مشتمل تھی۔ [**یدعوک**] آپ کو بلاتے ہیں [**لیجزیک**] وہ بھی آپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہتے ہیں اور احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔

[**فلما جاء**] [**نجوت**] یہ علاقہ ان کی گرفت سے باہر ہے۔

(آیت ۲۶) یقیناً تین دن تک مہمان رہے ہوں گے اور ان کی اونٹنیوں کو پانی پلاتے رہے ہوں گے۔

[**استـاجره**] ان کو اجیر بنا لیجئے، مستقل خادم بنا لیجئے۔ [**امین**] اخلاق کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو، یہ امین بھی ہیں اور قوی بھی ہیں۔

(آیت ۲۷) آٹھ سال مستقل رہو گے۔ [**فهو عندک**] وہ تمہاری طرف سے ہوگا۔

[**ان اشــق عــلیک**] پردیسی سمجھ کر محنت شاقہ کا کام لوں۔ آٹھ سال تو معاہدہ ہے اور دس سال رہو تو بہتر ہے اور اس دوران تم پر ظالم بن کر کام نہ کرونگا۔

(آیت ۲۷) او نچے رجال صالحین کے ساتھ کا جو معاملہ ہوتا ہے اسی طرح سے کرونگا۔

(آیت ۲۸) [**ذالک**] **الامر**، یہ بات مجھے قبول ہے۔

[**ایما**] اس میں ما زائدہ ہے، جو بھی مدت پوری کرو تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہے۔

[**و الله علی ما نقوک و کیل**] ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اس پر نگراں ہے۔

[**الاجل**] جب مدت مقررہ پوری کرلی اور الاجل سے مراد دس سال ہے۔[**من**] **فی**

[**جذوۃ**] شعلہ [**تصطلون**] تاپنا، وہاں سے راستے کا پتہ لائیں گے، اور آگ لائیں گے اور جس سے تاپیں گے۔

[**فلما اتاها**] **قرب**، [**فی البقعة المبارکة**] درخت سے آواز آئی۔ اور اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے، تو فوراً خدا نے کہا میں رب العالمین ہوں اور تمہیں رسالت سے نوازا ہے۔ یہ دعوت دینی ہے جس کا ذکر سورہ طہ میں ہے۔

(آیت ۳۱) [**کانها جان**] سانپ ہے۔ ان کی لاٹھی سانپ کی طرح لہرا رہی تھی۔ [**مدبرا**] حال مؤکد ہے۔

[**ولـم یعقب**] **و لم یلتفت** [**من الآمنین**] خطرہ نہیں ہے، یہ سانپ نہیں ہے، تمہارے پاس جائے گا نہیں، بلکہ اس سے تم فرعون کا سر توڑ دو گے۔

(آیت ۳۲) [**مـن الـرهـب**] جس طرح خوف زدہ آدمی کرتا ہے، اسی طرح پہلے بازو کو لے جاؤ، اس کے بعد اپنی طرف دباؤ۔

[**بـرهانان**] دلیل قاطع ہے۔ [**فاسق**] وہ فاسق لوگ ہیں، اور یہ پیغمبر کے لیے صادق ہونے کے طور پر دو نشانیاں ہیں، وہ لوگ تمرد کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اس لیے یہ دو نشانیاں لے جاؤ، اور دعوت دو۔

(آیت ۳۳) میں ایک جان کا قاتل ہوں ہوسکتا ہے وہ مجھ سے بدلہ لیں اور اس طرح دعوت نہ دے سکیں۔

[**ردء**] **ظهیرا ای معین.**

[**یصدقنی**] اصل کام میں کرونگا لیکن وہ میری تصدیق کریں گے۔

(آیت ۳۵) [**سنشدک**] تمہارے بھائی کو بھی نبی بنائیں گے۔

[**ونجعل لکما سلطانا**] اور قوت حاصل ہوگی اور تم دونوں کو ہیبت دیں گے اور قوت دیں گے۔ اس طرح وہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اصل میں نبی کو قتل کرنا آسان بات نہیں ہوتی، اس لیے کہ لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ غیر معمولی انسان ہیں اور ہیبت کی چادر ڈال دیتا ہے اسی سے لوگ ڈرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی نے ان

کے ساتھ ایسا ہی کیا۔

[**لا یصلون**] قتل کے لئے نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

(آیت۳۵)[**بآیاتنا**] معجزہ کی وجہ سے وہ تمہیں قتل نہیں کر پائیں گے۔

دوسرا مطلب یہ کہ ہماری آیات کی وجہ سے تم اور تمہارے متبعین غالب آئیں گے۔

(آیت۳۶)[**بآیات بینات**] روشن ہدایات، واضح تعلیمات۔

یہ دین ہمارے اسلاف نے قبول کیا ہوا ایسی بات نہیں، ہم وہی دین اختیار کریں گے جو ہمارے اجداد اختیار کرتے تھے یعنی ہمارے آباءاجداد بہت بہتر تھے۔

(آیت۳۷) [**عاقبة**] اور اس دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ نے مجھے میری شکل میں بھیجا ہے۔آخرت کا اچھاانجام۔اسی کے اوپر آخرت کی کامیابی منحصر ہے جولوگ اس کو نہیں مانیں گے وہ ہلاک ہوجائیں گے۔

[**ظالمون**] **مکذبین**

(آیت۳۸) میں تمہارا معبود ہوں، سنسار کی اصلاح کے لیے میں خود اللہ کی شکل میں آیا ہوں۔میرے لئے اینٹیں تیار کرو اس کے بعد قلعہ تیار کرو اس سے چڑھ کر جاؤنگا۔وہ بالکل جھوٹا ہے۔مذاق کی ایک شکل ہے حالانکہ میں تو خود ہی یہاں موجود ہوں۔

(آیت۳۹) ناحق انھوں نے استکبار کیا۔

(آیت۴۰) انھوں نے ایسا کیا تو ہم نے ان کو سمندر میں پھینک دیا ان کی بے وقعتی بیان کرنا مقصود ہے، ان کی اتنی طاقت تھی۔

(آیت۴۱)[**جعلناهم**] انھوں نے یہاں قیادت کی اسی طرح قیامت میں قیادت کریں گے، پہلے موسی ہوں گے اس کے بعد اس کی فوج ہوگی اور ساتھ ہی سب جہنم میں جائیں گے، اور سب کو ہلاک کیا جائے گا۔یہ قیامت کا تصور دلانا ہے۔

(آیت۴۳) قرون اولی میں رسول آئے تھے، انھوں نے جھٹلایا مثلاً عادوثمود، اصحاب مدین، اصحاب الایکہ۔

[**بصائر**] کتاب سے حال ہے۔کتاب کے مضامین لوگوں کے لیے روشنیاں ہیں اور کتاب اس لئے بھیجی ہے تاکہ صحیح راہ پر چلیں لیکن وہ مشرکین کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے اور رسول کی بات نہیں مان رہے ہیں۔ مشرکین میں یہود اور نصاری ہیں تمام کے تمام اس کتاب کو جھٹلا رہے ہیں۔اور اس کتاب کو نہیں مان رہے ہیں۔

[**لعلهم**] موسوی لوگ تو تورات کو ماننے والے ہیں لیکن اس کو انھوں نے بھلا دیا ہے اور اپنی اس کتاب

کو بھول گئے ہیں اور اسے چھوڑ دیا ہے۔ نبی کے اصحاب یعنی مؤمنین کو تکلیف ہوتی تھی، علماء بھی ہماری دعوت کو جھٹلاتے ہیں، اس لیے تسلی دی جارہی ہے اور اس طرح مؤمنین شبہ میں پڑ جاتے ہیں اس شبہ کا ازالہ کیا جارہا ہے۔

(آیت ۴۴) [**بجانب الغربی**] **ای بجانب المکان الغربی**] یعنی شاطیٔ **و ما کنت من الشاھدین ھناک.**

آپ وہاں موجود نہیں تھے اور اتنی تفصیل کے ساتھ سنا رہے ہیں تو یہ بات بتلاتی ہے کہ آپ صحیح معنوں میں پیغمبر ہیں، یہ رسالت کی دلیل کے طور پر یہ بات کہی جارہی ہے۔

(آیت ۴۵) **انشانا**] موسیٰ کے بعد۔ [**کنا**] آپ کو پیغمبر بنا کے بھیجنے والے ہیں۔

[**لکن**] **رحم رحمة، من ربک۔**

(آیت ۴۳-۴۵) **قال الفراھیؒ [و من رحمته انه بعد ما اھلک الظالمین اتم نعمه علی المظلومین، فبعث فیھم رسولاً. فان من اجل رحمته و نعمته ان یرسل الرسل و یؤتیھم الکتاب بصائر للناس و ھدی و رحمة لعلھم یتذکرون و کذالک انزل ھذا القرآن، کما قال((لتنذر قوماً اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون)) سورة القصص :القصص: ۴۶** (عام طور سے مولانا جلیل احسن ندویؒ امام فراہیؒ کے نوٹس جو ان کے پاس موجود تھے اہم مواقع پر کلاس کے طلبہ کو لکھا دیتے تھے یہ نوٹس اب تو چھپ کر "تعلیقات" کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکے ہیں جب اپنا نوٹ تعلیقات سے ملایا ذرہ برابر فرق نہیں پایا، بعینہ وہی عبارت تھی جو انھوں نے لکھائی تھا۔)

گویا یہ بات کہی جارہی ہے کہ موسیٰ کے اوپر جو کچھ حالات گزرے ان سے آپ بالکل ناواقف تھے بلکہ ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ یہ سب ساری باتیں بتلائیں اس طرح وحی کے ذریعہ بتلایا، تقدیر کلام اس طرح ہو گا[**انشانا بعد الوحی من موسی الی عھدک قروناً کثیرةً فتطاول علی آخرھم و ھو القرن الذی انت فیھم** . [**العمر**] **ای امد انقطاع الوحی فانه اثبت العلوم فوجب ارسالک الیھم، فارسلناک، و عرفناک العلم بقصص الانبیاء و موسی.**]

[**لکنا**] بہت ساری صدیاں گزری ہیں، ۱۰ ہزار سال تک کی صدیاں گزر گئیں۔

[**وما کنت**] آپ اہل مدین میں بھی مبعوث نہیں ہوئے۔ اور وہاں کا قصہ بتاتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رسول ہے۔

[علیهم] قریش۔[قرونا] قرون کثیرۃ آئے دوسرے مختلف جگہوں میں، لیکن ان عربوں میں کوئی رسول نہیں آیا، اس لئے ان پر مدت دراز ہوئی۔

(آیت۴۷) **و لولا قطع اعداء الناس وحجتهم یوم القیامة کما ارسلنا هؤلاء الرسل و لکن ارسلنا هم لنتم الحجة علی العباد و نقطع اعذارهم**

[**مصیبة**] عذاب دنیا یا آخرت میں۔

(آخرت۴۷) اسی وجہ سے ہم نے رسول کو بھیجا ہے، تاکہ ان پر اتمام حجت ہوجائے، اور اب کسی کو کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔

(آیت۴۷)[**لولا**] اگر ایسی بات نہ ہوتی تو ہم رسول کو نہیں بھیجتے لیکن ہم نے حجت تمام کرنے کے لئے رسول بھیجا ہے۔ جب رسول آئے تو اس کو جھٹلایا ان کا یہ کہنا کہ موسی کو قانون کی کتاب بیک وقت دی گئی تھی تو ان کو کیوں نہیں دی گئی۔ صرف تکذیب کر رہے ہیں۔

(آیت ۴۸)[**او لم یکفروا**] یہ حوالہ کیوں دیتے ہیں جب کہ اس کو نہیں مانتے ہیں۔

[**تظاهرا**] ایک دوسرے کا مددگار رہنا۔[**قالوا انا بکل کافرون**] کسی کو نہیں مانتے نہ قرآن کو اور نہ تورات کو۔

(آیت۴۹)[**فأتوا**] اگر دیانت داری کے ساتھ اعتراض کرتے ہو تو اس سے عمدہ کتاب لاؤ، تم بڑے معزز ہو اس لئے کوئی عمدہ کتاب لاؤ۔

اگر میں جھوٹا ہوں۔ اگر ایسا کرو گے تو میں اس کی پیروی کرونگا۔

(آیت۵۰)[**فان لم یستجیبوا**] ھدی نہ لائیں تو یقین کرو کہ یہ اپنے باطل اھواء کی پیروی کرتے ہیں۔ کچھ شیاطین کے گڑھے ہوئے ہیں، ان کے اندر پیاس نہیں ہے۔

[**هوی**] خودساختہ باطل نظریہ۔

یہ اپنے اھواء سے چمٹے ہوئے ہیں اس لئے ان کو ہدایت نہیں دے گا۔

[**لا یهدی**] جو خود ہی ظلم کرتے ہیں اللہ تعالی انھیں ہدایت نہیں دے گا۔

(آیت۵۱)[**لهم**] یکے بعد دیگرے بھیجنے والے۔[**القول**] قرآن، جو باتیں بیان ہو رہی ہیں۔

(آیت۵۲) ایک سوال کا جواب ہے کہ جو ایمان نہیں لا رہے ہو یہود و نصاری ہیں۔

[**به**] قرآن (قول) وہ لوگ جو دیانت داری کے ساتھ عمل کر رہے ہیں تو یہی وہ لوگ جن کو ہم کتاب دی

اور وہ ایمان لا رہے ہیں، ایک گروہ ایمان لا رہا ہے۔ اس لیے سب کہاں جھٹلا رہے ہیں۔

[**الذین آتیناھم**] یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو صلحاء تھے اور نبی کے انتظار میں تھے اور نسلی تعصب میں مبتلا نہیں تھے۔

(آیت ۵۳) [**مسلمین**] اس نبی کی بعثت سے پہلے اور اس قرآن کے آنے سے پہلے ایمان لائے ہوئے ہیں۔

(آیت ۵۴) اھل کتاب کو دو اجر ہے، بعثت سے پہلے انتظار کر رہے تھے اور آنے بعد۔

[**بالحسنة**] **الكلمة**[**السئية**] **الكلمة**

[**لنا**] ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ اور نہ ہی باقی لوگوں سے الجھتے ہیں۔

(آیت ۵۶) جن کو آپ ہدایت دینا چاہتے ہیں ان کو آپ مؤمن نہیں بنا سکتے ہیں، اللہ ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے جو اس سے مانگتے ہیں، ضلالت کے عاشق ہیں وہی انھیں مل رہا ہے، انسان جو چاہتا ہے وہی اسے ملتا ہے۔

(آیت ۵۷) آپ کی بات مان لیں۔ **هذا اسلوب من اساليب التكذيب**

[**نتخطف**] اقتدار سب چلا جائے گا ہم اپنے علاقے سے محروم ہو جائیں۔

[**حرم**] حرم کے امن میں انھیں مقتدر نہیں بنایا اور ان کی دولت ان کی عزت محفوظ ہے۔ ذرا سی نسبت تمہاری حرم کی طرف ہوگئی تو تم اس طرح سرکش ہو گئے ہو۔ بیت ابراہیمی کی وجہ اقتدار سے بخشا، امن کے ساتھ رہتے ہو اور یہاں پر ہر طرح کی پیداوار آ رہی ہے۔

مکہ کو عالمی تجارت گاہ بنادی اس کی وجہ سے انھیں تمام چیزیں مل جاتی تھیں، ہر طرح کی چیزیں یہاں پہنچتی ہیں، ہر طرح کی پیداوار آ رہی ہے اور بس محض ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

(آیت ۵۸)[**معيشة**] روزی، خوشحالی[**لم تسكن**] وہ علاقہ جو آباد نہیں اور جب اپنی معیشت پر اترانا نہیں بند کرتے تو ہم انھیں ہلاک کر دیتے اور ان کی معیشت تباہ کر دیتے۔

(آیت ۵۹) خدا کی ہمیشہ یہ سنت رہی ہے کہ ہم کسی علاقہ کو ہلاک نہیں کرتے ہیں بلکہ **القرية المركزية** میں رسول بھیجتے ہیں اور وہ احکام سناتا ہے اور جب نہیں مانتے ہیں تو انھیں ہلاک کر دیتے ہیں اور وہ اس کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ عربوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ ایسے ہی ہو کہ ہلاکت کے کنارے کھڑے ہو۔

(آیت ۶۰] یہ یہیں تک محدود ہے[وما] اور ایمان و عمل کے نتیجے میں جو کچھ ملے گا وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

[افلا تعقلون] کہ تم فانی پر ریجھے ہوئے ہو اور خالد کی چیز سے بھاگتے ہو۔

(آیت ۶۱)[لاقیه] جنھیں لازماً ملے گا۔

(آیت ۶۳)[تبر أنا]ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا صرف آپ سے تھا۔

(آیت ۶۴)[قیــل]عابدین سے کہا جائے گا کہ پکارو جس طرح دنیا میں پکارتے تھے وہ پکاریں گے لیکن جواب نہیں ملے گا اور حال یہ ہوگا کہ وہ عذاب کو دیکھ رہے ہوں گے۔[لو] کاش ہم لوگوں نے ''اللہ ہی'' کو اختیار کیا ہوتا۔

[لو] [لو اننا نهتدی]شرطیہ ہو تو مطلب ہوگا ''ہم اس عذاب سے دوچار نہیں ہوتے''۔(الثانی) یہ اللہ کا قول ہوگا تو اس طرح جملہ ہوگا[لو انهم کانوا یهتدون لما لقوا هذا العذاب]۔

دراصل عابدین اور معبودین کا یہ انجام ہونے والا ہے۔

(آیت ۶۵)[هـــم]مراد مشرکین ہیں ،یعنی مرسلین گئے تھے یا نہیں ،ان کا جواب دیا یا نہیں ،ان کی بات مانی یا نہیں۔

(آیت ۶۶)[فـعـمـیـت]مخفی ہو جائیں گے ،جانتے ہوئے نہیں بتلائیں گے۔[الأنبـاء]رسول آیا یا نہیں اس کے سامنے ہم نے اتنی رکاوٹیں پیش کیں اس کو وہ نہیں کہہ سکتے۔[فهــم لا یتسـآء لون] آپس میں مشورہ بھی نہیں کرسکیں گے ،جیسا کہ دنیا میں کرتے تھے۔

(آیت ۶۷)یقیناً یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔[عسی] بمعنی رجأ]یقین میں آتا ہے۔

(آیت ۶۸)انھوں نے انتخاب کرلیا ہے کہ اللہ کے منتخب ہیں اس لیے یہ شفاعت کریں گے تو اس کا جواب دیا جارہا ہے ،تم نے کیسے انتخاب کرلیا خدا نے تو ایسا نہیں کیا اور نہ تم کو اس کا حکم دیا ،وہ جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔

[الخیرة] ما کان لهم احداً ، مختار لله اً و مقرباً عنده۔

(آیت ۶۷) شرک کا ابطال ہے (آیت ۶۹) ایک دوسرے طریقے سے شرک کا ابطال ہے جب وہ سر جو سینوں میں چھپے ہوئے ہیں اس کو ہم جانتے ہیں تو شرکاء کیسے گھپلا میں ڈال سکتے ہیں۔اس لیے تم خدا کو گھپلا میں نہیں ڈال سکتے ہو۔

(آیت ۶۹)[هو الله]مبتدا ہے [لا اله]خبر ہے۔

(آیت ۷۰)[له الحکم]اسی کے لئے اقتدار ہے۔[و الیه]وہ مرجع ہے، وہی سہارا ہے یا تم کولوٹ کر وہاں جانا ہے۔

(آیت ۷۱) توحید کا اثبات[سرمداً] ابدی[ضیاءً] دن کی روشنی۔

[افلا یسمعون] یہ دلیل سنو، اور غور کرو۔

[افلا تبصرون] سیدھے دیکھو، اور سیدھے سنو، اپنے کان، آنکھ کو کام میں لاؤ۔

(آیت ۷۳)[لعلکم] اور اس سے زندگی میں یہ فائدہ پہنچے گا کہ تم موحد بنو گے لیکن افسوس ہے کہ حالت وہی باقی ہے۔

(آیت ۷۴) چونکہ وہ نہیں مان رہے ہیں اس لیے انذار کیا جارہا ہے۔

[زعم] دعوی کرنا۔(آیت ۷۵)[شهید] لیڈر[من کل امة]مشرکه [برهان] اشراک باللہ کی دلیل لاؤ۔ان کے پاس تو دلیل نہیں ہے اس لئے وہ جان لیں کہ حق تو اللہ کے لئے ہے۔

[ضل] جن کی عبادت کرتے تھے وہ غائب ہو جائیں گے۔

[ان الحق لله] صحیح فیصلہ آج خدا ہی کرے گا۔

(آیت ۷۶) شرک کا انجام بہت برا ہے۔ جو لوگ جاہ و مال پر اتراتے ہیں ان کو ہلاک کر دیتا ہے جو اقتدار پر گھمنڈ کرتے ہیں ان کو غرق کر دیا ہے۔

[قارون] قارون موسیٰؑ کے خاندان کا فرد تھا اور اسرائیلی مسلم تھا اسے دولت ملی تو اس کے ساتھ ظلم کیا۔ اس کو بنی اسرائیل پر نواب بنایا اور فرعون کے مقرب ہو گیا۔

[علیهم] ان کے مفاد میں کام نہیں کرتا تھا۔ان پر ظلم کرتا تھا۔

[اذ] اس پر پھول گیا، اترا گیا، اور اللہ تعالی فرحین کو مبغوض رکھتا ہے۔

[وابتغ الدار الآخرة][فیما] بمعنی ب

[نصیبک] وہ حصہ جو دنیا سے لے کر جانا چاہئے اس کو نہ بھول اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ کر، جس طرح اللہ تعالی تیرے ساتھ سلوک کیا ہے۔

اس دولت کا فائدہ یہ ہے کہ تم زکوۃ دو۔[ولا تبتغ] فرعونی نظام جو قائم ہے اس کو چھوڑ دو اور زکوۃ دو اور مسلم بن جاؤ۔

[**علی علم**] جو کچھ ملا ہے صرف اس لیے ملا ہے کہ اللہ چاہتا ہے۔(الثانی)[**انما**] **انما اوتیہ استحقاقاً فی علم الله.**

ان خزانوں کا میں حقدار تھا اس لئے مجھے دیا ہے یہ استاد محترم کی رائے ہے۔

قال الکشاف [**علی علم**] **ای علی استحقاق و استیجاب لما فی من العلم الذی فضلت به الناس ، و ذالک انه کان اعلم بنی اسرائیل بالتوراۃ.**

میں خراب آدمی نہیں ہوں بلکہ میں تو اللہ کا محبوب ہوں، مجھے جو جاہ و مال ملا ہوا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جانتا ہے۔

[**علی علم**] دوسری رائے یہ کہ میرے اپنے اس علم کی بنیاد پر ملا ہے جو میرے پاس ہے۔

قرون اولی نے بھی یہی بات بگھاری تھی لیکن وہ ھلاک کر دیئے گئے اس سے زیادہ سیاسی قوت اور جمع مال میں زیادہ تھا تو پھر کیسے وہ ھلاک کر دیئے گئے ،معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔

(آیت ۷۸)[**لا یسئل**]ان کے جرائم کے بارے میں تحقیق نہیں کرے گا۔

(آیت۸۰)[**فی زینته**] حال ہے۔خوب ٹھاٹ باٹ کے ساتھ محل سے نکلا۔

[**انه**] بڑی قسمت والا ہے۔

(آیت ۸۰) جو مؤمنین صادقین تھے، جو بنی اسرائیل میں سے تھے حقائق سے واقف تھے۔

ان کو اللہ کا ثواب ملے گا۔[**ثواب**] نتیجہ، عمل، تمنا کی چیز، آخرت۔

[**و لا یلقّٰها**] اور یہ طرز فکر نہیں ملتا ہے مگر جو صابر ہوتے ہیں، ان ہی کو تو یہ طرز فکر ملتا ہے۔

(آیت ۸۱)[**بداره**] جس کے اندر سونا اور چاندی تھی۔

[**الارض**] زمین کو دھنسا دیا۔

[**المنتصرین**]خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکا۔

(**وَیکأنّ**] پچھتاوے کا کلمہ ہے۔ پہلے کے کیے ہوئے سے توبہ ہے۔انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔جو انھوں نے آیت ۷۹ میں کہی تھی۔ہم جو یہ سوچ رہے ہیں کہ **انه لذو حظ عظیم.** تو یہ غلط ہے اس لئے کہ وہ تو جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نہیں دیتا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ محبوبیت کی دلیل نہیں ہے۔

[**لولا**] اسی طرز پر سوچتے تو ہم بھی اسی عذاب کے شکار ہو جاتے۔[**وَیکأن**] ہم سمجھ رہے تھے کہ کافر کو

فلاح ملتی ہے لیکن ایسی بات نہیں، وہ تو ناکام ہو گیا ہے۔

جن کو جاہ و مال دیتا ہے اور اس کو ناشکری کے کام میں صرف کرتا ہے تو وہ تباہ یا غرق کر دیا جاتا ہے۔

(آیت۸۳) جو لوگ اقتدار پا کر متکبر اور مفسد نہیں بنے تو ان کو الدار الآخرۃ ملے گا۔ دنیا کا مل جانا کسی کی محبوبیت کی دلیل نہیں ہے۔

[**والعاقبة**] مکہ میں جو متقین پس رہے ہیں ان کے لئے خوش انجامی ہے۔

(آیت۸۴) مؤمنین کے ساتھ عدل واحسان کیا جائے گا یہاں پر آخرت کا ضابطہ بیان ہو رہا ہے اور کافرین کے ساتھ عدل کرے گا۔

(آیت۸۵) اب غلبہ کی بشارت دی جارہی ہے جو اوپر کے قصے سے نکلتی ہے۔

[**فرض**] اس پر عمل کرنا اور تبلیغ کرنا فرض ہے۔

[**معاد**] اچھے نتیجہ تک پہنچا کر رہے گا۔ [**الی نتیجة حسنة**] ہجرت کی بشارت دی جارہی ہے۔ [**ما جاء بالهدی**] ھدی کو قبول کیا۔

(آیت۸۶) آپ کو ھادی بنائے گا آپ کے حاشیہ خیال میں نہیں تھا لیکن آپ پر رب نے رحم فرمایا۔

[**رحمة**] [**لکن رحمۃً**] لیکن آپ پر رحمت ہوئی، جب رحمت ہوئی تو معاد حسن تک پہنچائے گا، یہاں بھی وہاں بھی۔

[**فلا**] مشرکین معاون و مددگار نہ ہوں، رواداری نہ برتنا، شرک اور توحید کو نہ ملانا بلکہ خالص توحید کی دعوت دو۔

[**من آیات**] اللہ کے آیات پر عمل کرنے سے تم باز نہ آنا۔

[**من المشرکین**] ان سے تعلق نہ رکھو، مؤمنین کو سمجھایا جارہا ہے۔

(آیت ۸۸) وہ ذات باقی رہنے والی ہے [لہ الحکم] حاکم وہ ہے، فیصلہ وہی کرے گا یعنی یہ کشمکش مشرکین اور مؤمنین کے درمیان ہورہی ہے اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

تلاوتِ قرآن۔ مستقل مطلوب عمل

(قسط دوم)

محمد انس فلاحی مدنی

صحابہ کرامؓ اور تلاوت قرآن

صحابہ کرامؓ کو قرآن سے غیر معمولی شغف تھا۔ان کے شب و روز قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے میں گزرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس شوق کی بنا پر انھیں سات دن اور کم از کم تین دن میں قرآن ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔حضرت عثمان بن عفانؓ کا قرآن سے شغف کا یہ عالم تھا اپنے بارے میں کہتے ہیں:''مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ مجھ پر کوئی ایسا دن اور رات آئے جس میں مَیں کلام اللہ کو دیکھ کر نہ پڑھوں۔''[20]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن مجید سے والہانہ لگاؤ تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:''جو شخص قرآن کو اس طرح تر و تازہ پڑھنا چاہے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن امِ عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کی قرأت کے مطابق پڑھے۔''[21]

حضرت تمیم الداریؓ ایک ہفتے میں مکمل قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔ابن سیرین سے منقول ہے کہ وہ ایک ہی رکعت میں قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔[22]

حضرت اُسید بن حضیر کا مشہور واقعہ ہے جس سے ان کا شغف بالقرآن اور آواز کا درد و سوز عیاں ہوتا ہے۔ان کی تلاوت کا سحر ایسا تھا کہ فرشتے بھی آسمان سے اترنے لگے تھے۔واقعہ کی پوری تفصیل حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسید بن حضیر نے بیان کیا کہ وہ (اپنے گھر میں) ایک رات نماز میں سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔یکا یک گھوڑے نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔جب وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی سکون سے کھڑا ہو گیا۔انھوں نے پھر پڑھنا شروع کیا تو

گھوڑے نے پھر اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ وہ پھر خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ساکن ہو گیا۔ انھوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر اچھلنے کودنے لگا تب انھوں نے سلام پھیر دیا کیوں کہ ان کا بیٹا یحیٰی اس گھوڑے کے قریب ہی تھا اور انھیں ڈر لگا، کہ کہیں وہ (اپنی اچھل کود سے) اسے کوئی ضرر نہ پہنچائے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا: ''اے ابن حضیر! (ایسے موقع پر بے تکلف) پڑھتے رہا کرو۔

حضرت اسید بن حضیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ڈر لگا کہ میرا گھوڑا میرے بچے یحیٰی کو کچل نہ دے کیوں کہ وہ اس کے قریب ہی تھا۔ جب میں نماز سے سلام پھیر کر اس کی طرف گیا اور میں نے اتفاقاً اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ گویا ایک چھتری سی ہے جس کے اندر چراغ سے روشن ہیں۔ میں (کچھ گھبرا کر) وہاں سے نکل آیا (یعنی آسمان کے نیچے سے) تا کہ میری نگاہ پھر اس پر نہ پڑے۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا چیز تھی؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمھارے قرآن پڑھنے کی آواز سن کر قریب آ گئے تھے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو ہو سکتا تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں سے نہ چھپتے۔[۲۳]

سلف صالحین اور تلاوت قرآن

سلف صالحین کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی دوسری مصرفیات کے ساتھ ان کا ایک مستقل عمل تلاوت قرآن کا تھا۔ ائمہ اور سلف صالحین صبح کی ابتدا مصحف سے قرآن کی تلاوت سے کرتے تھے۔ کوئی نظر کی کم زوری کی شکایت کرتا تو اسے بھی یہی تاکید کرتے کہ مصحف قرآنی کو مرکز نگاہ بنائے۔[۲۴]

ابوداؤدؒ کہتے ہیں: میں کرز الحارثی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے گریے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: رات قرآن کریم کی منزل پڑھنے سے رہ گئی اور مجھے پتا ہے کہ یہ میرے کسی گناہ کے سبب سے ہوا ہوگا![۲۵]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بارے میں ان کے بھائی زین العابدین کہتے ہیں کہ قلعے میں محبوس ہونے کے بعد شیخ نے اسیّ مرتبہ قرآن ختم کیا۔[۲۶]

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ ابوبکر بن عیاشؒ چالیس سال تک ایک دن اور ایک رات میں مکمل قرآن ختم کرتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ان کی بہن رونے لگیں، تو انھوں نے اپنی بہن سے فرمایا: کیوں رو رہی ہو؟ اس گوشے کی طرف دیکھو، تمہارے بھائی نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے۔[۲۷]

محدث عبدالرزاق صنعانیؒ کہتے ہیں کہ امام سفیان ثوریؒ نے اپنے لیے ہر شب قرآن کریم اور حدیث

شریف کا جز مقرر کر رکھا تھا۔ وہ پہلے قرآن مجید کے جز کی تلاوت کرتے تھے؛ پھر اپنے بستر پر بیٹھ کر حدیث پاک کا جز پڑھتے اور پھر نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔ ۲۸

ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں: امام شافعیؒ رمضان میں ساٹھ اور ہر ماہ تیس قرآن ختم کیا کرتے تھے ۲۹ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید بن القطانؒ بیس سال تک ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ ۳۰ عمرو بن علی بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطانؒ ایک دن اور رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ ۳۱ حافظ ابن عساکر کے صاحبزادہ قاسم بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نمازِ جمعہ اور تلاوت قرآن کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ آپ عام دنوں میں ہر جمعہ اور ماہِ رمضان میں روزانہ ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ ۳۲

امام مالک بن انسؒ کے بارے میں ان کی بہن سے ان کے معمولات بارے میں پوچھا گیا کہ وہ گھر پر کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے قرآن اور تلاوت۔ ۳۳

سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کی زندگی میں تلاوت قرآن کا معمول اور کثرت سے قرآن پڑھنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن پڑھنا بذات خود ایک مستقل مطلوب عمل ہے۔

ختم قرآن کی مدت

تلاوتِ قرآن کی مدت کے سلسلے میں ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے کہ تین دن سے کم میں قرآن نہ ختم کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’قرآن کو سات دن میں (مکمل) پڑھا کرو اور تین دن سے کم میں نہ پڑھا کرو۔‘‘ ۳۴

امام ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں: ’’تین دن سے کم مدت میں قرآن کریم کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب اس کو عادت بنا لیا جائے۔ جہاں تک فضیلت والے اوقات کی بات ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی اور علاقے سے مکہ میں آئے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس مبارک جگہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ کا عمل بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔‘‘ ۳۵

مذکورہ بالا احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جا سکتی ہے تین دن میں ختم قرآن کی اجازت اس امر کی دلیل ہے کہ ایک دن میں دس پاروں کی تلاوت کی جا سکتی ہے اور یہ اسی صورت

میں ممکن ہے جب قرآن کی مجرّد تلاوت کی جائے۔

تلاوت کے آداب

کتب حدیث وفقہ میں قرآن مجید کی تلاوت کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ وہ خود اس بات کی دلیل فراہم کرتے ہیں کہ قرآن مجید مطلق پڑھنے کے لیے بھی ہے۔ قرآن مجید پڑھنے کے چند آداب واحکام حسب ذیل ہیں؛۔

طہارت: تلاوت قرآن سے قبل وضو کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے انشراح حاصل ہوگا۔ اس کا نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن جس عمل کے لیے وضو کیا جاتا ہے اس کے لیے ذہنی طور پر یکسو ہو جاتا ہے۔ پھر اس عمل میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں ہے لیکن وضو کر لینا بہتر ہے تا کہ انسان ذہنی طور سے تلاوتِ قرآن کے روحانی فیوض وبرکات سمیٹنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔

تعوذ: تلاوت قرآن کا آغاز تعوذ سے کیا جائے۔ تعوذ ایک دعا ہے جسے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ اس کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ تعوذ کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان آمادگی قلب کے ساتھ قرآن پڑھے گا اور شیطان کے وسوسوں میں مبتلا نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (النحل:۹۸)

''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

ترتیل: ہونٹ ہلائے بغیر قرآن کی قراءت کرنے والا قاری شمار نہیں ہوگا اور جب تک وہ تلفظ نہ کرے وہ قراءت قرآن کی فضیلت کا مستحق نہیں ہوگا![۳۶] اس لیے ہونٹ اور زبان کی حرکت کے ساتھ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور الفاظ کی صحیح ادائیگی کی جائے۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿**وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً**﴾ (المزمل:۴) ''اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو'' قرآن کے الفاظ کی صحیح ادائیگی اتنا اہم مسئلہ اس لیے تجوید و قرأت کا علم ایجاد ہوا۔

مصحف سے دیکھ کر تلاوت کی جائے: بہتر ہے کہ قرآن کی تلاوت مصحف سے دیکھ کر کی جائے۔ جسے حفظ ہو وہ اپنی یادداشت سے زبانی بھی پڑھ سکتا ہے۔ امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ تلاوت مصحف دیکھ کر کی جائے اس سے تلاوت اور قرآن کو دیکھنا دونوں فائدے حاصل ہو جاتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ مصحف دیکھ کر پڑھتے تھے۔ وہ اس بات کو سخت نہ پسند

کرتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزرے کہ جس میں وہ مصحف کو نہ دیکھ سکیں۔[۳۷]

خوش الحانی: قرآن خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اسے سکون واطمینان سے پڑھا جائے گا۔ حدیث میں قرآن خوش الحانی سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن بہت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ براءؓ بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مزین کرو۔[۳۸]

تلاوت کے روحانی فوائد

تلاوت قرآن سے انسان کو دلی سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے، رب سے اس کا تعلق مضبوط ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت وسکینت نازل ہوتی ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دو رسیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اِس دوران ایک بادل سا اس پر سایہ فگن ہوا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ جیسے جیسے وہ نیچے آتا رہا اس کا گھوڑا زیادہ اچھلنے کودنے لگا۔ اس شخص نے کہا: مجھے اس چیز نے تعجب میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبیﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپﷺ نے فرمایا: وہ سکینت تھی جو قرآن کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔''[۳۹]

امام حسن بصریؒ (م:۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: تین چیزوں میں لذت تلاش کرو: نماز، ذکر اور تلاوت قرآن، اگر یہ لذت تمہیں نصیب ہو جائے تو بہت خوب؛ ورنہ جان لو کہ دروازہ بند ہے۔''[۴۰]

امام سفیان ثوریؒ (م:۱۶۱ھ) کہتے ہیں: ''بہترین ذکر نماز میں تلاوت قرآن ہے، پھر نماز کے علاوہ تلاوت قرآن، اس کے بعد روزہ، پھر ذکر (زبانی) ہے۔''[۴۱]

تلاوت قرآن غیر محسوس طریقے سے انسان کی روحانی زندگی کو جلا بخشتی ہے، کلام الٰہی سے والہانہ تعلق پیدا ہوتا ہے، قرآن مجید کے الفاظ زبان پر رواں ہو جاتے ہیں، بندگی کا لطف نصیب ہوتا ہے۔ معروف مصنف ڈاکٹر فضل الرحمٰنؒ تلاوت قرآن سے مرتب ہونے والے اثرات اور روحانی فیوض و برکات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں؛-

> ''قرآن کی تلاوت ایک نرالی نفسیاتی کیفیت اور روحانی فیض کا دروازہ کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ سے جو قرب تلاوتِ کلام الٰہی کے ذریعے

حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری طرح ممکن نہیں۔ دورانِ تلاوت جو توجہ مالکِ حقیقی کی بندے پر مبذول ہوتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔ محققین صوفیہ نے بھی یہی بتایا ہے کہ چونکہ ذاتِ الٰہی سے جس نوعیت کا تعلق اور ربط الفاظ قرآنی کی تلاوت کے ذریعے پیدا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے طریقے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن کے محض الفاظ کو پڑھنا اور پڑھتے رہنا باطن کی پاکیزگی کو جنم دیتا ہے اور جو روحانیت، سکینت، اطمینان قلب اور ذہنی سکون اور برکت کی دولت الفاظِ قرآنی کی تلاوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ بدل۔''[۴۲]

پابندی سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے قرآن کریم زبان پر رواں ہو جاتا ہے، اس کے الفاظ و آیات کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''جو شخص تلاوت قرآن کی پابندی کرتا ہے اس کی زبان تلاوت کے لیے نرم ہو جاتی ہے اور اس کی قراءت کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور جب وہ روزانہ تلاوت کرنا چھوڑ دیتا ہے تو قرأت اس پر بھاری ہو جاتی ہے اور اس کے لیے مشقت بن جاتی ہے۔''[۴۳]

تلاوت۔ قرآن فہمی میں معاون

تلاوت قرآن کی پابندی سے آیات قرآنی از بر ہوتی ہیں۔ آیات و سور کا استحضار نصیب ہوتا ہے۔ عربی جاننے والے طلبہ اور علماء کو تلاوت قرآن کی مواظبت و مداومت سے مضامین قرآن کا ادراک ہوتا ہے۔ ان پر کلام الٰہی کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ نئے مضامین اور نئے موضوعات ذہن میں آتے ہیں۔ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں تلاوت قرآن کی پابندی اور معمول سے غیر معمولی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ معروف سیرت نگار پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ (م: ۲۰۲۰ء) اپنے تلاوتِ قرآن کے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تلاوتِ قرآن کا ایک لازمی معمول خاک سار رہا ہے کہ وہ نماز فجر کے بعد بالعموم ایک گھنٹہ تلاوت کے لیے وقف رکھتا ہے۔ اس کا متعدی پہلو اور اجتماعی فائدہ یہ نکلا کہ اہل خانہ سب کے سب تلاوتِ قرآن کے عادی بن گئے ہیں، خواہ وہ ایک ہی جز پڑھیں۔ خاک سار کا علمی تحقیقی فائدہ اس سعادت سے یہ ہوا کہ اس کے بیش تر مقالات و مضامین جو از خود لکھے گئے، اسی تلاوت کی برکت سے لکھے گئے، جیسے تخلیق انسان کی غرض و غایت والا مضمون وغیرہ۔ متعدد ایسے مقالات و مباحث زیب قرطاس بن چکے ہیں اور جلدی اشاعت پذیر ہوں گے۔ تلاوت قرآن کے اجر و ثواب کی برکات کے علاوہ علمی و تحقیقی و تصنیفی برکت موجبہ پر ظاہر

پرستوں اور افہام وتفہیم پر تکیہ اندازوں کی نظر نہیں پڑتی اور سمجھ میں آتا ہے کہ وہ خود تلاوت کی دولت وہی سے محروم ہیں۔''۴۴

تلاوت اور مطالعۂ قرآن: اعتدال کی راہ

تلاوت اور مطالعہ قرآن کا حاصل یہی ہے کہ بندہ کا قرآن سے والہانہ لگاؤ پیدا ہو، قرآن اس کا مرکز نگاہ اور قرآن زندگی کا مقصد ومحور بن جائے۔ جولوگ صرف تلاوت پر اکتفا کرتے ہیں اور قرآن کو محض اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ ایک انتہا پر ہیں۔ اور جولوگ صرف فہم قرآن اور مطالعۂ قرآن پر زور دیتے ہیں اگر چہ وہ تلاوتِ قرآن کی یکسر نفی نہیں کرتے، وہ دوسری انتہا پر ہیں۔

تلاوت، قرآن سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور قرآن فہمی منزل مقصود ہے۔ دونوں مستقل عمل کی حیثیت سے مطلوب ہیں۔ تلاوت فی نفسہ قرآن فہمی، قرآن سے والہانہ لگاؤ اور قرآن کے لیے فدائیت کا جذبہ اور داعیہ پیدا کرتی ہے۔ جولوگ صرف تلاوت کے عادی ہیں انھیں فہم قرآن کے لیے مطالعہ قرآن کو لازمی معمول بنانا چاہیے اور جولوگ صرف مطالعہ قرآن کو اصل مقصود ومطلوب کی حیثیت دیتے ہیں، انھیں قرآن کا کچھ حصہ ضرور تلاوت کے لیے مختص کرنا اور اس کی پابندی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہی تلاوت ان کے لیے فہم قرآن میں معاون ثابت ہوگی۔ آیات قرآنی کا استحضار ہوگا، مضامین قرآن کی تکرار سے قرآنی اسرار ورموز واشگاف ہوں گے۔ تلاوت سے قرآنی فہمی میں مدد ملے گی ساتھ ہی اس کے غیر معمولی روحانی فوائد اور اثرات وثمرات بھی ظاہر ہوں گے۔ دو انتہاؤں کے درمیان یہی اعتدال کی راہ ہے۔

حواشی ومراجع

☆ قرآنی آیات کا ترجمہ ''ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۱۴ء سے ماخوذ ہے۔

۱۔ نورالدین عترالحلبی، علوم القرآن، مطبع الصباح، دمشق، ۱۹۹۳ء ص ۲۵۵۔۲۵۶

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، دارصادر بیروت، ۱۴۱۴ھ، فصل الھمزۃ باب القاف، جلد اول، ص ۱۲۸، ۱۲۹

۳۔ ابن منظور، لسان العرب فصل الواؤ والیاء، باب التاء المثناۃ فوقھا، ج ۱۴، ص: ۱۰۴

۴۔ امام راغب اصفھانی، مفردات الفاظ القرآن، المکتبۃ العصریۃ بیروت، ۲۰۰۹ء، ص: ۸۷

۵۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ، سنت کی آئینی حیثیت، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۱۶، ۲۱۵

۶۔ سنن ابی داؤد، ابواب قرأۃ القرآن وتحزیبہ وترتیلہ، باب فی ثواب قرأۃ القرآن، حدیث: ۱۴۵۲

۷۔ سنن ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قرأ حرفا من القرآن، حدیث: ۲۹۱۰

۸۔ سنن الدرامی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقرأ القرآن ویشتد علیہ، حدیث: ۳۴۱۱

۹۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قرأۃ الفاجر والمنافق اصواتھم وتلاوتھم، حدیث: ۷۵۶۰

۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل قرأۃ القرآن، حدیث: ۲۵۲

۱۱۔ صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، حدیث: ۵۰۲۶

۱۲۔ حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن الجوزی، مناقب الامام احمد بن حنبل تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ص: ۵۸۴،۵۸۳

۱۳۔ امام غزالی، احیاء علوم الدین، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲،۱۹۹۴ء

۱۴۔ امام ابی زکریا یحییٰ بن اشرف، النووی، التبیان فی آداب حملۃ القرآن، تحقیق: محمد الحجّار، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۶ء

۱۵۔ ابوعبید القاسم بن سلام بن عبداللہ الھروی البغدادی، ان کی یہ کتاب مروان العطیۃ، محسن خرابۃ، اور وفاء تقی الدین کی تحقیق سے دار ابن کثیر سے ۱۹۹۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

۱۶۔ مصنف کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن ایوب بن یحییٰ بن الضریس بن یسار الضریس البجلی الرازی ہے۔ ان کی یہ کتاب غزوۃ بدیر کی تحقیق سے دار الفکر، دمشق سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۷۔ مصنف فریابی کے نام سے مشہور ہیں، مکمل نام ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی ہے۔ یہ کتاب یوسف عثمان فضل اللہ جبریل کی تحقیق سے ۱۹۸۹ء مکتبۃ الرشد، ریاض سے ہوئی ہے۔

۱۸۔ ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن الرازی، فضائل القرآن وتلاوتہ، تحقیق: ڈاکٹر عامر حسن صبری، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء

۱۹۔ یہ کتاب دار ابن خزیمۃ، ریاض، سعودی عرب ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲۰۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، فضائل عثمان بن عفانؓ، دار ماجد عسیری، سعودی عرب، ۲۰۰۰ء حدیث: ۶۵

۲۱۔ سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ، فضل عبداللہ بن مسعودؓ، حدیث: ۱۳۸

۲۲۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائیماز الذھبی، سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ج۲، ص: ۴۴۵

۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قرأۃ القرآن حدیث، ۵۰۱۸

۲۴۔ عبداللہ سراج الدین، تلاوۃ القرآن المجید فضائلھا، آدابھا خصائصھا، مکتبہ الرشید، مدینہ منورہ، ۱۴۰۲ھ، ص: ۱۷۰

۲۵۔ امام ابونعیم اصبھانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ، مصر، ۱۹۷۴ء، ج ۵، ص: ۹۷

۲۶۔ بہ حوالہ، ڈاکٹر سید بن حسین، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے سنہری اوراق، ترجمہ: حافظ فیض اللہ ناصر، ادارۃ الاصلاح ٹرسٹ، پاکستان۔ ۲۰۱۶ء، ص: ۱۱۰

۲۷۔ امام الذھبی،، سیر اعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ج،۸ص:۵۰۴،۵۰۳

۲۸۔ عبدالغنی الدقر، الامام سفیان ثوری امیر المومنین فی الحدیث، دار القلم، بیروت، ۱۹۹۵ء ص:۱۰۵

۲۹۔ امام ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ج،۱۰ص:۸۳

۳۰۔ ڈاکٹر سید بن حسین، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے سنہری، ص:۹۷

۳۱۔ امام ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ج،۹ص:۱۷۸

۳۲۔ حوالہ سابق ج۲۰ص:۵۶۲

۳۳۔ حوالہ سابق ج ۸،ص:۱۱۱

۳۴۔ سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ماجاء فی کم یستحب تختم القرآن، حدیث:۱۳۴۷

۳۵۔ ڈاکٹر سید بن حسین، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے سنہری اوراق، ص:۵۲

۳۶۔ https://binbaz.org.sa/fatwas/2293/

۳۷۔ امام نوویؒ، التبیان فی آداب حملۃ القرآن، ص:۱۰۰

۳۸۔ سنن ابوداؤد، ابواب فضائل القرآن، باب کیف یستحب الترتیل فی القرأۃ، حدیث:۱۴۶۸

۳۹۔ مسند احمد، براء بن عازب، حدیث:۱۸۵۹۱

۴۰۔ ابن قیم الجوزیہ، مدارج السالکین، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۷۳ء، ج:۲،ص:۴۲۴

۴۱۔ امام اصبھانی، حلیۃ الاولیاء، ج۷،ص:۶۷

۴۲۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، کتاب الٰہی کے پانچ مطالبات، حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص:۲۴، ۲۵

۴۳۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج۹ص:۷۹

۴۴۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد، مجموعہ مقالات سیمینار، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی قرآنی خدمات، ۲۰۲۱ء ص:۲۳

[نوٹ: قسط اول کے حوالہ جات درج ہونے سے رہ گئے تھے، اس دوسری اور آخری قسط تمام حوالہ بالترتیب شامل کیے جا رہے ہیں۔ ادارہ]

اسلام کے معاشی نظام کی امتیازی خصوصیات

(جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں ۶/اگست ۲۰۲۲ء کو پیش کیا گیا توسیعی خطبہ نظر ثانی کے بعد)

پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم.

اساتذۂ کرام، مہمانانِ گرامی قدر اور عزیز طلبہ!

میرے لیے یہ چیز بے انتہا باعثِ مسرت ہے کہ مجھے جامعۃ الفلاح کے طلبہ و اساتذہ سے ہم کلامی کا موقع ملا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ جامعہ میرے لیے نیا ہے یا پہلی بار ایسا ہو رہا ہے، بلکہ اس لیے کہ ایک طویل عرصہ کے بعد اس کی نوبت آئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ آج سے چوتھائی صدی قبل ۲۷، ۲۸/اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اس جامعہ کے اندر ہم نے انڈین ایسوسی ایشن فار اسلامک اکنامکس کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا تھا جس میں اسلامی معاشیات کے اہم ستون ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدیؒ شروع سے آخر تک شریک رہے۔ اس سیمینار کی مختصر رپورٹ اسلامک اکنامکس نیوز بلیٹن میں شائع ہوئی، لیکن افسوس کہ اس کے اندر پیش کیے جانے والے مقالات محفوظ نہیں رکھے جا سکے۔ اس طرح کے پروگرام ہوتے رہنے چاہئیں۔ جامعۃ الفلاح غالبًا ان معدودے چند اسلامی اداروں میں سے ہے جہاں اکنامکس بھی شاملِ نصاب ہے۔ اس کی تدریس میں زیادہ زور اسلامی معاشیات پر ہونا چاہیے۔

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں ''اسلام کے معاشی نظام کی امتیازی خصوصیات'' پر اپنے خیالات پیش کروں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مختصراً علم معاشیات کے ارتقا اور بعض دیگر نظامہائے معیشت کا تذکرہ ہو جائے تا کہ اسلامی معاشی نظام کی امتیازی خصوصیات سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرات! فکر معاش اور اس کے لیے تگ و دو کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کی تاریخ۔ آدم

علیہ السلام جب شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کی وجہ سے جنت سماوی سے جنت ارضی پر بھیجے گئے تو سب سے پہلے انھیں ستر پوشی کا خیال ہوا۔"فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ" (طہٰ:۱۲۱)۔ جب بھوک لگی ہوگی تو کھانے کی تلاش ہوئی ہوگی، رات میں ٹھنڈک یادن میں تپشِ آفتاب کی پریشانی سے کسی سائبان کی پناہ ڈھونڈی ہوگی، اس سے واضح ہے کہ حضرت انسان کو سب سے پہلے روٹی، کپڑا اور مکان کا خیال آیا ہوگا۔ مگر معاشی امور پر گفتگو کا اولین تحریری رکارڈ بعض قدیم مذہبی کتابوں اور یونانی فلاسفہ کے یہاں پایا جاتا ہے جنھوں نے اپنی فلسفیانہ بحثوں میں بعض معاشی مسئلوں پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن "علم معاشیات" کا آغاز سال ۱۷۷۶ء مانا جاتا ہے جب آدم اسمتھ (Adam Smith) نے اپنی مشہور کتاب دی ویلتھ آف نیشنس (The Wealth of Nations) یا ثروۃ الامم تصنیف کی اور اس میں معاشیات کو ایک مستقل مضمون اور منفرد علم کی حیثیت سے پیش کیا، اس لیے اہل یورپ اسے ابو الاقتصاد (Father of Economics) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اتفاق سے اس کا نام بھی آدم تھا جو ابوالبشر تھے۔ آدم اسمتھ نے جس معاشی نظام کی وکالت کی وہ سرمایہ داری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں سرمایہ کے تجمع (Accumulation) کو اقتصادی ترقی اور پیداوار کے فروغ کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، بے قید نجی ملکیت اس نظام کی خاصیت ہے جو بازار میں آزاد مسابقت پر مبنی طلب و رسد کی قوتوں کے ذریعہ طے ہونے والی قیمت کی مدد سے کام کرتا ہے۔ اس سے پہلے صدیوں تک جاگیرداری کا نظام (Feudalism) چھایا رہا، پھر تجارت پسندی یا مرکنٹیلزم (Mercantilism) کے نظام کو فروغ ہوا جس میں معاشی ترقی اور نشو ونما کے لیے تجارت، خاص طور پر بیرونی تجارت کو اہمیت دی گئی، پھر فیزیوکریسی (Physiocracy) یا طبعی وسائل خصوصاً زراعت کو پیدائش دولت اور معاشی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا۔ پھر ان سب تجربات کے بعد سرمایہ داری کا غلبہ ہوا جو اب بھی بڑی حد تک جاری ہے۔ لیکن اس کے استحصالی اور منفی اثرات کے مقابلہ کے لیے کمیونزم اور اشتراکیت خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ سرکاری ملکیت اور گورنمنٹ کنٹرول اس نظام کی خاص بات ہے جو کئی سالوں تک بعض ملکوں میں چلتا رہا پھر یہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔

جس وقت علم معاشیات کی طرف علماء اسلام کی توجہ ہوئی آخر الذکر دونوں نظام دنیا میں چھائے ہوئے تھے بلکہ انہی کی کاٹ کے لیے اسلامی معاشی نظام کو منظم طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ایسی بہت سی تعلیمات آئی ہیں جو اسلامی معاشی نظام کا حصہ ہیں مثلاً سود کی تحریم، زکاۃ

کا نظام، وراثت کی تقسیم، اموال غنیمت اور فئی کی تقسیم کا طریقہ، اطعام طعام کا حکم، انفاق کی تاکید، فقراء و مساکین کی خبر گیری، مالی کفارات وغیرہ۔

پھر کچھ ایسے اصول بھی بتائے گئے ہیں جن کا تعلق بھی معاشیات سے ہے، جیسے فضول خرچی کی ممانعت، کفایت شعاری کی تعریف وتحسین، معاملات میں صدق وصفا پر زور، کذب وافتراء اور تطفیف سے اجتناب، ناپ تول میں کمی کرنے پر وعید، وغیرہ۔ مگر ان تعلیمات کی بنیاد پر بیسویں صدی سے پہلے اسلامی اقتصادیات کا کوئی باقاعدہ علم مرتب نہیں ہوا اگرچہ دینی واخلاقی، سماجی وسیاسی بحثوں میں معاشی امور پر بھی کلام ہوتا رہا جس کی مثالیں الغزالی، ابن تیمیہ، ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن سو سال قبل ''اسلامی معاشیات'' کی اصطلاح سے دنیا ناواقف تھی۔ ناچیز کے علم کی حد تک ''اسلامک اکنامکس'' کے لفظ کا سب سے پہلے استعمال ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی مہاجر پیرس (فرانس) نے ۱۹۳۶ء میں اپنے مضمون "Islam's Solution of the Basic Economic Problems: The Position of Labour" میں کیا جو اسلامک کلچر حیدرآباد دکن کی جلد ۱۰، شمارہ نمبر ۲، اپریل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ چنانچہ ''اسلامی معاشیات'' یا ''اسلامک اکنامکس'' کی اصطلاح جس سے اب یہ علم پوری دنیا میں جانا جاتا ہے ہندوستان کی دین ہے۔ اور اسلامی معاشیات پر پہلی مکمل کتاب کسی بھی زبان میں سب سے پہلے ایک ہندوستانی عالم مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اردو زبان میں لکھی، اور ۱۹۳۹ء میں ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے عنوان سے اپنی تصنیف پیش کی۔

اسلامی معاشیات پر دوسری اہم اور مکمل کتاب بھی اردو زبان میں ''اسلامی معاشیات'' ہی کے عنوان سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے ۱۹۴۷ء میں سپرد قلم کیا۔ ان دو کتابوں سے قبل اس وقت تک بشمول عربی وانگریزی کسی زبان میں اسلامی معاشیات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ اسی لیے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اردو زبان نے عالم اسلام کو دو اہم چیزیں عطا کی ہیں ایک تو اسلامی معاشیات کا علم اس لیے کہ اس موضوع پر سب سے پہلے اسی زبان میں کوئی کتاب لکھی گئی۔ دوسرے ۱۹۸۴ء میں قرآنیات پر اختصاصی علمی وتحقیقی ادارے کا قیام اور مکمل اسی کے لیے اس کے مجلّہ کا اجراء۔ میری مراد ادارہ علوم القرآن اور اس کے ترجمان ششماہی علوم القرآن سے ہے۔ اس سے پہلے کسی زبان میں اس طرح کا ادارہ Exclusively صرف قرآنیات پر علمی وتحقیقی کام کرنے اور ایسا علمی وتحقیقی مجلّہ جو صرف قرآنیات کے لیے وقف ہو دنیا کی کسی زبان میں نہیں پایا جاتا

تھا، ان دونوں واقعات نے عالم اسلام کو اس طرح کے علم کی نشو ونما اور اس طرح کے اداروں کے قیام کی راہ دکھائی۔ الحمد للہ اب اسلامی معاشیات کا علم بھی عالمی سطح پر پھیل گیا ہے اور قرآنیات پر عربی، انگریزی اور کچھ دوسری زبانوں میں متعدد اداروں اور رسالوں کا قیام عمل میں آچکا ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے مولانا مودودی کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد سے ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا تو اس میں اسلامی معاشیات کے کئی امور زیر بحث آتے رہے گو کہ برصغیر کی تقسیم سے قبل اسلامی معاشیات پر مولانا کی کوئی مربوط کتاب سامنے نہیں آئی۔ مولانا نے اسلامی معاشی نظام کے خدوخال نمایاں کرنے میں زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے۔ ان سبھی ہستیوں نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کو ہدفِ تنقید بنایا ہے کیونکہ یہی دو مدمقابل نظام رہے ہیں۔ ان کے تقابل سے ہی واضح ہوگا کہ اسلام کے معاشی نظام کی کیا امتیازی خصوصیات ہیں۔ اب ہم اس پر گفتگو کرتے ہیں:

۱۔نظریۂ حیات کا فرق: اسلامی نظام معیشت نظریۂ توحید پر مبنی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ ہے جس نے اس زندگی و موت کا سلسلہ انسان کے امتحان کے لیے پیدا کیا ہے کہ کون اللہ سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور کون عمل صالح میں آگے بڑھتا ہے۔ اس امتحان میں جو کامیاب ہوگا وہ دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور جو ناکام ہوگا اس کے حصے میں رسوائی اور عذاب آئے گا۔ جس طرح توحید میں سارے باطل آلہہ کا انکار کرکے ایک اللہ پر ایمان لاتے ہیں اسی طرح اس عقیدہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ سارے باطل نظریات کو ٹھکرا کر ایک توحیدی نظریہ کو تسلیم کریں جو اللہ واحد کی طرف سے ملا ہے اور معاشی فکر وفلسفہ میں اسی کی پیروی کریں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی ضروریات کا بندوبست کیا ہے اسی طرح اس کی روحانی غذا اور کارزارِ حیات میں رہنمائی کا انتظام کیا اور قرآن کی شکل میں کتابِ ہدایت نازل کی جس کے اندر بہت سی معاشی تعلیمات کے ساتھ کچھ معاشی اصول بھی دیے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔ یہ چیز انسان کے فکر وعمل کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ اس طرح دین و دنیا دونوں کی طرف رہنمائی کرنے والی کسی کتاب سے دیگر نظامہائے معیشت خالی ہیں۔ سیکولر نظام حیات کے مطابق جس پر روایتی معاشیات قائم ہے یہ دنیا اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے اور انسان کیچڑ مٹی سے ارتقاء پیدا ہوا ہے اور یہ زندگی موت کے ساتھ ختم ہوجائے گی۔ اس لیے ان کا مقصد حیات اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ لطف اٹھانا اور لطف اٹھانے کے قابل بنانا ہوتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں اس دنیا کے علاوہ آنے والی ابدی زندگی

کی کامیابی بھی پیش نظر ہوتی ہے۔اس طرح فلاح فی الدارین کا اعتبار اسلامی معاشیات کا امتیازی وصف ہے جب کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت باہم متضاد معاشی نظام ہونے کے باوجود ایک ہی ہدف رکھتے ہیں یعنی اس دنیوی زندگی کو کس طرح مادی لحاظ سے کامیاب بنائیں۔

توحید کے ساتھ رسالت اور آخرت بھی اہل اسلام کے ایمان کے لازمی عناصر ہیں۔کیونکہ رسول کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام اپنے بندوں پر بھیجے اور ہدایت کا راستہ دکھایا اور زندگی ایک عرصۂ امتحان ہونے کی وجہ سے آخرت کی زندگی جزا و سزا اور ثواب وعقاب کے لیے رکھا۔ان دونوں اجزاء ایمان کا انسانی معاشی زندگی پر بڑا اثر مرتب ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر اس کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشی نظام کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ ایمانیات پر قائم ہے۔

۲- اسلامی معاشی نظام کی ایک خصوصیت اس میں حلال وحرام کا تصور ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ کچھ چیزوں کے استعمال کی اجازت دی وہ حلال ہیں اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا وہ حرام ہیں۔اسلامی معاشی نظام میں حلال چیزوں کے کھانے پینے، پیداوار کرنے کی پوری اجازت ہے، ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ' 'الآیۃ (اعراف:۳۲)۔لیکن جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے ان کی پیداوار اور ان کا استعمال ممنوع ہوگا خواہ معاشی اعتبار سے وہ کتنے ہی نفع آور ہوں۔چنانچہ اسلامی معاشی نظام کے اندر شراب و جوا وغیرہ کی اجازت نہیں ہوگی خواہ اس سے حکومت کو کتنی ہی آمدنی حاصل ہو۔بالفاظ دیگر غیر اسلامی نظام معیشت میں کسی چیز کو پیدا کرنے یا نہ پیدا کرنے میں صرف معاشی منفعت کا اعتبار ہوتا ہے جب کہ اسلامی معاشی نظام میں صرف معاشی اعتبار سے نفع بخش ہونا کافی نہیں ہے بلکہ وہ حلال بھی ہو۔

۳- اسلام کے معاشی نظام کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اخلاق واقدار پر مبنی ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے: ''**بعثت لأتمم مكارم الأخلاق**''۔ صدق وصفا، ایثار وقربانی، عدل وانصاف، تعاون وتناصر ایسے اعلیٰ اخلاقی صفات اور انسانی اقدار ہیں کہ ان سے خالی کسی معاشی نظام کے اسلامی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔اس کے برخلاف جھوٹ، فریب، استحصال، چوری وڈاکہ زنی، ظلم وزیادتی وغیرہ ایسے خلافِ اخلاق وخلافِ انسانیت اعمال ہیں جن کی اجازت کسی اسلامی معاشی نظام میں نہیں دی جا سکتی۔قرآنی احکام اور توحیدی صفات اسلام میں اخلاق واقدار کا سرچشمہ اور

مطلوبِ مومن ہیں، جن پر اسلامی معاشی نظام قائم ہوتا ہے۔

۴-ملکیت سے متعلق امانت کا تصور بھی اسلام کے معاشی نظام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بے قید اور بے حد وحساب انفرادی ملکیت کی اجازت ہوتی ہے جب کہ اشتراکیت میں ملکیت کا حق حکومت کو حاصل ہوتا ہے۔ ان دو معاشی نظاموں کے برعکس اسلامی نظام معیشت میں ملکیت کا حق افراد اور حکومت دونوں کو حاصل ہے اور یہ حق اس لیے دیا گیا ہے کہ دونوں پر کچھ ذمہ داریاں ہیں جنھیں پورا کرنا ہے۔ اسلام میں نجی ملکیت کا حق مطلق اور بے قید نہیں ہے۔ سرمایہ داری نظام کے برخلاف اسلامی نظام میں مالک کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ وہ اپنی دولت کو جیسے چاہے الللے تللے خرچ کرے۔ بلکہ اس میں اس کے لیے لازم ہے کہ مالک حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکموں کے مطابق تصرف کرے، مال ودولت اس کے ہاتھ میں ایک امانت ہے اور ایک امین کی طرح مالک کو چاہیے کہ اسے خرچ کرے۔ حکومت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے بھر وسائل زیست کو اپنے قبضۂ قدرت میں رکھ سکتی ہے باقی افراد کے لیے چھوڑ دے۔ ضرورت پڑنے پر حکومت مالداروں پر ٹیکس عائد کرسکتی ہے۔ یا کچھ چیزوں کو قومی ملکیت میں لے سکتی ہے مگر یہ فیصلہ شوریٰ کی رائے کے مطابق کرنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ اسلام کا نظریۂ ملکیت سرمایہ داری اور اشتراکی دو انتہاؤں کے درمیان اوسط اور ذمہ داریوں کا حامل ہے۔

۵-سود کی ممانعت تقریباً سبھی مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ معاشیات میں بھی مہاجنی سود (Usury) کی خرابی کے سبھی قائل ہیں اور مذمت کرتے ہیں۔ مگر اسلام میں ہر طرح کے سود کی ممانعت ہے اور اس شدت سے ہے کہ یہ اسلامی معاشی نظام کی ایک امتیازی خصوصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت غیر سودی بینکاری کا پورا نظام دنیا میں پھیل گیا ہے۔ خاص طور پر وہ ممالک یا معیشتیں جہاں سود پر پابندی ہے وہاں سود کی بہت سی برائیوں سے حفاظت رہتی ہے، جیسے معاشی بحران، امیری وغریبی میں بڑھتا ہوا فرق، تجارتی چکر (Business Cycle) وغیرہ جن کے پیچھے عام طور پر سود کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

۶-سود کی ممانعت کے ساتھ زکاۃ کی فرضیت بھی اسلامی معاشی نظام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ زکاۃ ایک بے مثال دینی ومعاشی فریضہ ہے جس کی حیثیت ایک مذہبی رکن اور مالی وظیفہ کی ہے۔ یہ نہ صرف یہ کہ امیر وغریب کے درمیان فرق کم کرنے میں ممد ومعاون ہوتی ہے بلکہ اس کے دوسرے صحت مندانہ معاشی اثرات ہوتے ہیں، کیونکہ اس کی وصولی اور تقسیم کے لیے اصول ہے کہ یہ مالداروں سے وصول کی جائے اور

غریبوں میں تقسیم ہو:''تؤخذ من أغنیائھم وترد علی فقرائھم''۔اس وقت زکاۃ کی معاشی اہمیت سے متعلق بے شمار لٹریچر دستیاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح زکاۃ روزگار اور پیداوار میں اضافہ کا سبب بنتی ہے اور کس طرح اس کو دین وملت کی خاطر مسجونین کی رہائی، فقراء ومساکین کی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اور ان کے لیے سوشل سیکوریٹی اور قرض کی ادائیگی کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۷- دوسرے نظامہائے معیشت کے مقابلہ میں اسلام نے عادلانہ تقسیم دولت کے نظام کے قیام اور فقراء واغنیاء کے درمیان بڑھتے گیپ کو ختم کرنے کے متعدد ذرائع فراہم کیے ہیں جو اس کی امتیازی شان ہے۔کمیونزم انسانوں کے درمیان مساویانہ تقسیم کے دعوے کے ساتھ آیا جو غیر فطری ہونے کے سبب ناکام رہا۔سرمایہ داری میں ٹیکسوں اور فلاحی اخراجات کے نام پر اسی حد تک دولت کی دوبارہ تقسیم (Redistributiom) کو گوارہ کیا جہاں تک اس کے اپنے مفادات کا تحفظ ہوسکے۔اسلام نے زکاۃ کے متعلق بتادیا کہ یہ مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے درمیان موجود فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔ زکاۃ کے علاوہ انفاق اور اطعام طعام، تقسیم وراثت کے احکام، ایک تہائی ترکہ میں وصیت کی سفارش، مالی کفارات، اور اموال فیٔ وغنائم کی تقسیم جیسے احکام پر اگر پوری طرح عمل درآمد ہوتو اسلامی معاشرہ میں دولت کی ناہمواری کا ایسا وجود شاید نظر آئے جہاں ایک مختصر گروہ ملک میں پائی جانے والی دولت کے زیادہ حصہ پر قابض ہو۔

۸- اسلامی معاشی نظام کے بارے میں ایک چیز یاد رہے کہ وہ بڑے اسلامی نظام کا حصہ ہے، جزء من کل۔دوسرے معاشی نظام خود کو اپنی جگہ ایک مکمل نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں اس لیے اسلامی معاشی نظام کا ایک بڑے اسلامی نظام کا حصہ ہونا بھی اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔اسلامی معاشی نظام کی کما حقہ کامیابی اسی پر منحصر ہے کہ وہ پورے اسلامی نظام کے ساتھ کام کرے۔اسلام میں پائی جانے والی تعلیمات، اخلاقیات، عبادات اور ایمانیات کو اپنائے بنا اسلامی معاشیات اور اس کے ذیلی اداروں کے خاطر خواہ نتائج کی امید رکھنا سادگی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

یہ گفتگو ختم کرنے سے پہلے یہ بتانا چاہوں گا کہ اس وقت اسلامی معاشی نظام کو کلی طور پر اختیار کرنے اور اسلامی معاشیات کے امتیازی پہلوؤں کو اپنانے کے بجائے زور صرف اسلامی بینکنگ اور مالیات پر مرکوز ہو گیا ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی بینکنگ اور مالیات ہی اسلامی معاشیات ہیں، حالانکہ ہم نے جیسا کہ ذکر کیا اسلامی معاشی نظام کی بہت سی امتیازی خصوصیات ہیں اور ان سب کو اپنائے بنا متوقع نتائج کی امید

لا حاصل ہیں۔ اسلامی مالیات اور بینکنگ کو اسلامی معاشیات کے پورے نظام سے الگ کرنے کی وجہ سے اس کاروبار میں بہت سے ایسے عناصر بھی داخل ہوگئے ہیں جن کا اسلام پر یقین نہیں ہے اور معاملات کی ایسی شکلوں کو ایجاد کیا ہے جو صورۃً اسلامی اصولوں کے مطابق ہوتی ہیں مگر اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی اغراض ومقاصد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اکثر حیلہ حوالہ سے کام نکالا جاتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام کی کامیابی کے لیے اسے اس طرح کی چیزوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔

آخر میں جامعۃ الفلاح کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اس طرح کی گفتگو کا موقع فراہم کیا۔ **وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔**

دیارِ شبلی کا رجلِ عظیم ابوالبقا ندوی

ڈاکٹر تابش مہدی

ہمارے عزیز ڈاکٹر طارق احسن جنیدی (ممبئ) نے فون کے ذریعے سے تکلیف دہ سناونی دی کہ ہم سب کے محبوب و محترم حضرت مولانا ابوالبقا ندوی اِس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہ سناونی کوئی غیر متوقع تو نہ تھی۔ گزشتہ کافی دنوں سے سخت بیمار چل رہے تھے۔ کچھ دنوں ممبئ میں بھی زیرِ علاج رہے۔ عمر بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوے تھے۔ اس لحاظ سے نوے کی دہائی میں داخل ہونے والے تھے۔ نوے یا اس سے کچھ کم و بیش برس کی مدت آج کے دور میں ایک بڑی مدّت ہے۔ لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں بہت دیر تک ذہن و دل کو اِس بات پر یک سوئی نہ ہوسکی کہ واقعی وہ اِس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔ شاید اِس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سراپا حرکت و عمل تھے۔ ان کی زندگی کی ایک ایک ادا سے زندگی کی روشنی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ موت، مایوسی یا پسپائی سے ان کی زندگی کوسوں دور تھی۔ مگر موت تو بہ ہر حال برحق ہے۔ جو بھی اِس دنیا میں آیا ہے، اُسے کسی نہ کسی دن یہاں سے جانا ہی ہے۔ بڑے بڑے انبیا و رسل نہیں بچ سکے تو مولانا یا ہما شما کی کیا حیثیت ہے۔ مخمور سعیدی مرحوم کا بہت مشہور شعر ہے:

جانا تو مرا طے ہے، مگر یہ نہیں معلوم
اِس شہر سے میں آج چلا جاؤں کہ کل جاؤں

مولانا ابوالبقا ندوی (۱۹۳۷-۲۰۲۲) ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کی ایک چھوٹی سی بستی ہنگائی پور کے متوطن تھے۔ اِس بستی کو ضلع اعظم گڑھ اور مضافات میں بہ وجوہ کافی شہرت و ناموری حاصل رہی ہے۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علما، صلحا اور مشائخ کا وہاں ورودِ مسعود ہوتا رہا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے جیّد عالم و مرشد

اور مجدّد و مصلح حضرت مولانا سیّد محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس پر خصوصی توجہ تھی۔ مولانا ددیہالی اور ننہالی دونوں لحاظ سے ایک موقر و علمی ماحول کے پروردہ تھے۔ ان کے نانا محترم عبدالستار مرحوم مبارک پور سے قریبی بستی سکٹھی کے معزز زمین داروں میں تھے۔ اپنے زمانے کے اچھے پڑھے لکھوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فارسی سے انھیں خاصی دل چسپی تھی۔ اُنھی کی وجہ سے مولانا کی والدۂ محترمہ کو بھی فارسی ادبیات سے غیر معمولی دل چسپی تھی۔ وہ اپنی گفتگوؤں میں بہ کثرت فارسی اشعار بے تکلف پڑھتی تھیں اور حسب ضرورت اس کا مطلب بھی بتاتی جاتی تھیں۔ مولانا کے والدِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد سعید ندوی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو کے جید اساتذہ میں تھے۔ انھوں نے اپنی پوری عملی زندگی ندوۃ العلما میں ہی صرف کی۔ ندوے کے دارالافتا کی ذمے داری بھی انھی کو تفویض تھی۔ انھوں نے اپنے متعدد اعزہ کو ندوۃ العلما سے وابستہ کر کے ان کو بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ اپنے پھوپھی زاد بھائی اور مشرقی یوپی کے معروف و مقبول معالج حکیم محمد ایوب ندویؒ اور اپنے برادرِ نسبتی حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندویؒ کو وہی ندوہ لے گئے اور ان پر تعلیم و تربیت کی پوری توجہ صرف کی۔ دیارشرق کے معروف عالم حضرت مولانا شبلی فقیہ بھی مولانا کے بزرگ عزیزوں میں تھے۔ یہ مولانا کے والد محترم مفتی محمد سعید ندوی کے نانا تھے۔

مولانا ابوالبقا ندوی پورے طور پر ندوی تھے۔ ان کی پوری تعلیم الف سے یا تک ندوۃ العلما میں ہوئی تھی۔ وہاں کے بزرگ، کامل اور یگانۂ روزگار اساتذہ سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ صاحب زادگی کی انھیں ہوا تک نہیں لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پوری عمر علم و تہذیب اور مزاج و طبیعت کے لحاظ سے ندوی رہے۔ ندوۃ العما کے بزرگوں خصوصا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ سے انھیں ذہنی و فکری وابستگی تھی۔ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اپنی مادرِ علمی کی علمی، روحانی اور تہذیبی روایات کے وہ ہمیشہ پاس دار رہے ہیں۔ حسب موقع اس کی ترجمانی بھی کرتے رہے ہیں۔

مولانا ابوالبقا ندوی ندوۃ العلما سے تعلیمی تکمیل کے بعد وہیں اپنی مادرِ علمی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے تھے۔ کئی سال تک وہاں بہت محنت اور لگن سے پڑھایا۔ پروفیسر شفیق احمد ندوی اور مولانا تقی الدین ندوی ان کے اسی زمانے کے شاگردوں میں ہیں۔ یہ لوگ استاذ کی محبت و شفقت اور مخلصانہ تعلیم و تربیت کے ہمیشہ مداح رہے ہیں۔ ان کی محنت اور مستعدی کے پیشِ نظر ندوۃ العما کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا محمد

عمران خاںؒ نے انھیں اپنے نئے ادارے تاج المساجد بھوپال بھیج دیا تھا۔ وہاں بھی انھوں نے محنت وتوجہ سے تدریسی ذمے داری نبھائی۔ لیکن آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے وہاں زیادہ دنوں تک نہ رک سکے۔ وطن آ کر مبارک پور میں طبابت شروع کردی۔ طبابت میں کام یاب تو رہے، لیکن شاید اس پیشے سے مزاجی مناسبت کم تھی۔ چناں چہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی دعوت پر وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے وابستہ ہوگئے۔ کچھ دنوں اس کی لائبریری کا نظام دیکھا۔ اس کے بعد بہ حیثیت ناظر دارالمصنفین کی ذمے داری سنبھالی اور نہایت کام یابی و نیک نامی کے ساتھ کئی سال تک یہ سلسلہ رہا۔ لیکن اسی دوران میں وہاں مقامی وغیر مقامی کی کش مکش شروع ہوگئی۔ ایک طبقہ ایسا ابھر کر سامنے آ گیا، جو سید صباح الدین عبدالرحمٰن کو اس لیے پسند نہیں کرتا تھا کہ وہ بہار سے تعلق رکھتے تھے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خانوادے سے تھے۔ اِس سلسلے میں دو صاحبان خصوصیت کے ساتھ پیش پیش تھے۔ انھوں نے اپنے انداز میں مولانا ابوالبقا ندوی کو بھی استعمال کیا۔ مولانا اپنی صاف دلی، بے نفسی اور خاندانی شرافت ونجابت کی وجہ سے ان کی چالوں کو نہ سمجھ سکے۔ نتیجۃً اُنھیں ایک دن وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔ واضح رہے کہ وہ دونوں شخصیتیں اپنی سماجی برتری اور ایک بڑی نسبت کی وجہ سے دارالمصنفین پر قبضہ جمانے کی خواہش مند تھیں۔ اب تو وہ دونوں اِس دنیا میں نہیں ہیں۔

مولانا ابوالبقا ندوی سے میری پہلی ملاقات جون ۱۹۸۶ء کی آخری کسی تاریخ کو ہوئی تھی۔ میں جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں ابھی نو وارد تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد برادرِ مکرم مولانا محمد طاہر مدنی نے ایک صاحب سے ملایا اور فرمایا کہ یہ مولانا ابوالبقا ندوی ہیں۔ جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے بھی رکن ہیں اور اس کی مجلس شوریٰ کے بھی۔ یہ بات بھی خاص طور پر بتائی کہ جامعہ میں تجوید وقرأت کا شعبہ مولانا ہی کی کوششوں سے قائم ہوا ہے۔ یہ میرے لیے غیر معمولی خوشی ومسرت کی بات تھی۔ اس لیے کہ اِسی کے لیے میں وہاں گیا تھا۔ مولانا سے میری یہ ملاقات کچھ ایسی ہوئی کہ روز بہ روز مضبوط ومستحکم ہوتی گئی۔ مولانا ان دنوں اعظم گڑھ میں مقیم تھے۔ شبلی اکادمی دارالمصنفین میں ذمہ دارانہ منصب پر فائز تھے۔ مولانا کے دو فرزندان جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ وہ دارالاقامہ ہی میں رہتے تھے۔ مولانا ان کے سلسلے میں اکثر جامعہ آتے رہتے تھے اور جب بھی تشریف لاتے تھے، کسی نہ کسی پہلو سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی۔

جامعۃ الفلاح میں تجوید وقرأت کا شعبہ تو قائم ہوگیا تھا، لیکن اوقات بہت محدود تھے۔ ہفتے میں صرف دو گھنٹے عربی کی ابتدائی کلاسوں کے لیے مختص تھے۔ جب کہ اس کے لیے غیر معمولی مشق ومزاولت کی ضرورت

ہے۔اس کے بغیر اس فن کو نہیں سیکھا جا سکتا۔فن سے مزاجی مناسبت اور خصوصی دل چسپی کی وجہ سے میں نے اِسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے تعلیمی اوقات کے علاوہ بھی متعدد حلقوں کی صورت میں پڑھانے کا اہتمام کیا تھا۔ایک گروپ نماز عصر کے بعد پڑھتا تھا اور ایک گروپ نماز مغرب کے بعد۔نماز فجر کے بعد گاؤں کی ایک مسجد میں پڑھاتا تھا۔اس میں بھی کچھ مصلیانِ مسجد کے ساتھ بعض مقامی طلبۂ جامعہ ہوتے تھے۔الحمدللہ میری اس حقیری کوشش کے نتیجے میں قرأت وتلاوت کی ایک خوش گوار فضا استوار ہوگئی تھی۔مختلف اوقات میں راستا چلنے والوں کو مشق وتلاوت کی آواز سننے کو ملتی تھی۔مولانا ابوالبقا ندوی اِس روحانی اور کیف پرور صورت حال سے بہت خوش رہتے تھے۔کئی بار انھوں نے اپنے دولت خانے پر ناشتے اور عشائیہ کے لیے مدعو کیا اور جامعہ کی اس خوش گوار تبدیلی پر اظہارِ مسرت کیا اور تعریفی وتحسینی کلمات سے سرفراز کیا۔مولانا گو کہ مستند قاری نہیں تھے،لیکن ندوۃ العلما کے مخصوص ماحول میں تعلیم وتربیت کی وجہ سے انھیں اِس فن سے غیر معمولی دل چسپی تھی۔جس زمانے میں وہ ندوہ میں زیرِ تعلیم تھے،ملک کے جید قاری ومقری حضرت مولانا قاری سید ودود الحی ندوی لکھنوی وہاں استاذ تھے۔مولانا نے بتایا کہ جب وہ کمسن تھے والدِ محترم سے خصوصی تعلق کی وجہ سے قاری صاحب اکثر انھیں اپنے سامنے کے ڈیکس پر بٹھا کر کافی دیر تک مشق کراتے تھے۔

تین چار برس میں خارج اوقات کی مشق ومزاولت اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے روایت حضرت حفص عن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق فنِ تجوید وقرأت کی تکمیل کرلی تھی۔جامعہ کے بعض اہم وذمہ دار اساتذہ کی رائے سے میں نے ان کے لیے خصوصی سند دینے کا اہتمام کیا۔۱۹/مارچ ۱۹۹۰ کو جامعہ کے ابواللیث ندوی ہال میں تقسیم اسناد کا مختصر سا جلسہ کیا۔جلسے کی صدارت اس وقت کے شیخ الحدیث حضرت مولانا صغیر احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور طلبہ کو اسناد حضرت مولانا ابوالبقا ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے تقسیم کی گئیں۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اِس پروگرام پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے فرمایا: یہ پروگرام اِس دیار کا پہلا اور مثالی پروگرام ہے۔حضرت صدر مجلس کی پرسوز دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔تقسیم اسناد کے دو دن بعد جامعہ میں سالانہ تعطیل ہوگئی۔میں بھی ۲۲/مارچ ۱۹۹۰ کو وہاں سے رخصت ہوکر گھر آ گیا۔آتے وقت نیت یہی تھی کہ اگلے سال مجھے یہاں نہیں آنا ہے۔اس کی وجوہ تو بہت سی تھیں ان میں میری بعض خانگی مجبوریاں بھی تھیں۔اپنے اِس ارادے کا ذکر میں نے صرف حکیم محمد ایوب ندوی،مولانا محمد عیسیٰ قاسمی ،مولانا ابوالبقا ندوی اور مولانا محمد طاہر مدنی سے کیا۔سب نے غیر معمولی تاسف کا اظہار کیا۔میں وہاں سے چلا

تو آیا لیکن مولانا محترم اور وہاں کے بعض دوسرے بزرگوں اور خود جامعہ سے میرے گہرے مراسم ہمیشہ قائم رہے۔

مولانا ابوالبقا ندوی ایک متحرک اور فعال انسان تھے۔ جمود و تعطل اور سرد مہری یا بے عملی سے ان کے مزاج وطبیعت کو کوئی مناسبت نہیں تھی۔ وہ جہاں اور جس ادارے سے وابستہ رہے، اس کی ہمہ پہلو فلاح وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کے لیے کسی ممکن سعی و کاوش سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ جب تک وہ جامعۃ الفلاح کے کسی ذمہ دارانہ منصب پر رہے، اس کے لیے انھوں نے رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھا۔ شب وروز اس کے لیے ساعی و کوشاں رہے۔ ملک و بیرونِ ملک کے اسفار کیے۔ بڑے بڑے علما، دانش وروں، ملّی وتحریکی رہ نماؤں اور اربابِ دولت وثروت سے ملاقاتیں کیں، جامعہ کا جامع اور بھرپور تعارف کرایا، اس کے اغراض و مقاصد سے انھیں آگاہ کیا اور ان کے سامنے مناسبِ حال نصرت وتعاون کی درخواست پیش کی۔ مجھے یاد ہے تقریباً پچیس چھبیس برس پہلے انھوں نے جامعہ کے بعض افراد کو لے کر دلّی کے ایک متدین اور متمول شخصیت سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ بہ وجوہ مجھے بھی ہم راہ لیا۔ وہاں میں نے ان صاحب کے سامنے مولانا، ان کی ندویت اور جامعۃ الفلاح کے ان کے ذمہ دارانہ منصب کا تعارف کرا کر خاموش ہوا۔ مولانا نے ان کے سامنے جامعہ کا تعارف رکھا اور اس کی بعض ضروریات کا ذکر کیا۔ ان صاحب کے لیے جامعۃ الفلاح کا نام تو بالکل نیا اور غیر معروف تھا، لیکن انھوں نے ایک بہت اچھی رقم کا وعدہ فرمایا اور وہ رقم جامعہ تک پہنچا بھی دی۔ بعد میں جامعہ والوں کی ہی نادانی کی وجہ سے وہ سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ مولانا اس کے لیے ہمیشہ متاسف رہے۔ لیکن جب بھی دلّی تشریف لاتے رہے، ان صاحب سے ملاقات کی کوشش ضرور کرتے تھے۔ ان صاحب کی صحیح العقیدگی، تقویٰ وطہارت اور ضیافت وتواضع سے وہ بہت متاثر تھے۔ فرماتے تھے، یہ خالص عربوں والا اور سادات وشرفا کا مزاج ہے۔

مولانا ابوالبقا ندویؒ چوں کہ ایک اچھے عالم دین تھے، عمر کا بڑا حصّہ علما وصلحا کی صحبتوں میں گزارا تھا اور خاندانی طور پر بھی وہ ایک نیک، صالح اور صحیح العقیدہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اِس لیے انھوں نے عقائد و نظریات کے سلسلے میں کبھی کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔ دینی وروحانی اقدار کے سلسلے میں وہ بہت سخت تھے۔ اِدھر کچھ دنوں سے بعض حلقوں میں جو من مانی تفکر وتجدد کا سلسلہ چل پڑا ہے، قرآنِ مجید واحادیث رسول پر بے جا اور من گھڑت تحقیقات وتدبرات کا رویہ عام سا ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے اچھے اچھے قائدین پرویزی، اور غامدی

جال کا شکار ہو چکے ہیں، وہ اس کے سخت مخالف تھے۔ حتّی الوسع اس کے قلع قمع کی پوری کوشش کرتے تھے۔

مولانا ابوالبقا ندوی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حکمت و دانش مندی سے نوازا تھا۔ وہ جہاں اور جس ادارے سے بھی وابستہ رہے، اس کی ہمہ پہلو ترقی واستحکام سے متعلق مستقل سوچتے اور حسب موقع اقدامات کرتے رہے۔ ایسے کاموں کی ایک طویل فہرست ہے، جن کی وجہ سے وہ دیر تک یاد کیے جاتے رہیں گے۔ ایک بار انھوں نے کسی موقع پر بتایا تھا کہ مشہور نومسلم عالم دین، ماہر فن حدیث اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مقبول ومحبوب استاذ ڈاکٹر مولانا ضیاء الرحمٰن اعظمی جب مشرف بہ اسلام ہوے تھے تو انھوں نے پہلی با جماعت نماز جو ادا کی تھی، اس کی امامت مولانا ابوالبقا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ یہ جماعت معروف معالج اور داعی وخادم دین محترم حکیم محمد ایوب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے پر ہوئی تھی۔ دوسرے مقتدیوں میں حکیم صاحب، مولانا ضیاء الرحمٰن کے ساتھ بزرگ رکن جماعت حاجی امانت اللہ انصاری اور متحرک رکن جماعت جناب ماسٹر جنید احمد مرحوم بھی تھے۔ واضح رہے کہ مولانا ضیاء الرحمٰن کی قبولیت ایمان میں ماسٹر جنید احمد مرحوم کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

جامعہ کی اِس طویل مدت قیام میں اس کے ناظم تو بہت سے منتخب ہوے۔ سب نے اپنی اپنی جگہ پر کچھ کام بھی کیا ہوگا۔ لیکن یہ امتیاز صرف مولانا کے دورِ نظامت کو حاصل ہے کہ انھوں نے مولانا محمد طاہر مدنی کو اپنا معاون بنایا اور جامعہ کی تعمیر وترقی کے لیے صبح وشام اور شب وروز ساعی وکوشاں رہے۔ بعض لوگوں سے انھیں شدید شکایت تھی۔

ماسٹر جنید احمد مرحوم جامعہ کے ایک مخلص اور متقی استاذ تھے۔ ایک بار کچھ شر پسندوں نے ان پر مالی خورد برد کا الزام لگا دیا۔ اس کی وجہ سے علاقے میں بڑی بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ ماسٹر صاحب نے بھی مدرسے آنا بند کر دیا تھا۔ مولانا نے ذمہ دارانہ انداز میں اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیا اور پوری تحقیق کے بعد اعلان کیا کہ یہ محض اتہام ہے، اِس کا انحصار پرانی دشمنی اور عناد پر ہے اور ماسٹر جنید احمد نہایت محتاط اور مخلص انسان ہیں۔ اس کے بعد پورے دیار میں ایک خوش گوار فضا استوار ہوئی اور بھائی جنید احمد صاحب حسب سابق پابندی کے ساتھ جامعہ آ کر اپنی مفوضہ ذمے داریوں کو نبھانے لگے۔ یہ سب بہ ظاہر معمولی واقعات ہیں، لیکن ان سے ان کی حکمت ودانش مندی اور جامعہ کے ساتھ ان کے مخلصانہ تعلق ودل چسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا ابوالبقا ندوی ایک باصلاحیت عالم دین اور مخلص خادمِ دین وملت تھے۔ وہ ان اشخاص ورجال

میں تھے، جو کسی قوم، ملت، تنظیم اور ادارے کو روز روز نہیں ملتے۔ وہ ۳۱رمئی ۲۰۲۲ کو ہم سے رخصت ہو گئے لیکن اپنی حکمت و دانش مندی کے مخلصانہ اور اَن مٹ نقوش ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، سیّات سے درگزر فرمائے، حسنات کو شرف قبول بخشے اور درجات کو بلند کرے۔

●◘●

مولانا سید جلال الدین عمریؒ

کچھ یادیں، کچھ باتیں

ذکی الرحمٰن غازی مدنی

ہمارے دین وایمان کا اٹوٹ حصہ یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا دارالعمل اورامتحان گاہ ہےاورانسان کا آخری اورابدی ٹھکانہ آخرت ہے۔جو متنفس بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے دیر سویر یہاں سے جانا ہے۔مہلتِ زندگی پوری ہوجاتی ہےتو پھرایک لمحے کے لیےبھی چھوٹ نہیں دی جاتی۔ارشادِباری تعالیٰ ہے:**وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْساً إِذَا جَاء اَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُون** (منافقون:۱۱)''جب کسی کی مہلتِ عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہےتو اللہ اس کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا۔اور جو کچھ تم کرتے ہواللہ اس سے باخبر ہے۔''

اللہ کے آخری نبی محمدﷺ نے حدیثِ قدسی میں ارشادِخداوندی نقل فرمایا ہے کہ''میں کسی کام کا فیصلہ کر لوں تو کبھی متردد نہیں ہوتا، جتنا کہ مومن بندے کی جان لیتے ہوئے مجھے تردد ہوتا ہے جوموت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس کی دل شکنی کروں۔''[**وما ترددت عن شيى انا فاعله ترددى عن نفس المؤمن يكره الموت و انا اكره مسائته**](صحیح بخاریؒ:۶۵۰۲۔مسنداحمدؒ:۲۶۱۹۳)

دنیا سے جانے والوں کی ایک بڑی تعداداُن لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی آمد ورفت کا کوئی اثر دنیا والے محسوس نہیں کرتے۔قرآن کے الفاظ میں ان کی زندگی حیوانی ڈھب پر گزرتی جاتی ہے۔**يتمتعون ويأكلون كما تاكل الانعام والنار مثوى لهم**۔''یہ بس چندروزہ زندگی کےمزے لوٹ رہے ہیں، جانوروں کی طرح کھاپی رہے ہیں،اوران کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔''

مگرانہی جانے والوں میں قلیل تعدادایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی رخصتی اور جدائی کا صدمہ پورازمانہ محسوس کرتا ہےاورجن کی چھوڑی ہوئی میراثِ غم سب کوغمزدہ ورنجور کردیتی ہےاور یوں لگتا ہے کہ وقت کا مرہم

بھی زخمِ دل کا مداویٰ اور علاج نہیں بن پائے گا۔زبانیں ان کا ذکرِ خیر کرتی ہیں۔لوگ ان کی مثالیں دیتے ہیں۔ان کے محاسن وفضائل گناتے اور یاد کرتے ہیں۔ایسی ہی ایک دلآویز شخصیت حضرت مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی تھی۔

موت اس کی ہے زمانہ کرے جس کا افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں، مرنے کے لیے

ہر انسان زندگی کے مختلف ادوار میں گردوپیش کے حالات وواقعات اور موجود وغیر موجود شخصیتوں کے افکاروخیالات اور سیرت وکردار سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی زندگی کی شاہراہوں کو متعین کرنے اور انہیں سازگار اور آسودہ بنانے کے لیے، ان کے فکر ونظر اور تجربات اور مشوروں سے استفادہ کرتا ہے۔اس تناظر میں بعض شخصیتوں کے تاثرات وقتی ہوتے ہیں جو بہت جلد زائل ہوجاتے ہیں اور بعض کے دائمی ہوتے ہیں جنھیں زمانے کی گردشیں بھی نہیں مٹا پاتیں۔مگر اچھے برے، کم یا زیادہ؛ یہ تاثرات ہوتے ضرور ہیں۔یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو مردم گر اور مردم ساز کہلاتے ہیں۔یہ گردوپیش کے ذی شعور افراد کو بے پناہ متاثر ومنفعل کرتے ہیں۔فیاضِ ازل نے مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کے پیکرِ خاکی میں یہ تاثیر اور فعالیت رکھی تھی اور راقم السطور نے اپنے ظرف کے مطابق ان سے بہت کچھ سیکھا، سمجھا اور برتا ہے۔

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحدٍ

مولانا محترم کی پوری زندگی ''طاب حیا وطاب میتا'' کی منھ بولتی تصویر ہے۔اس زندگی کی محنتیں، کاوشیں، سرگرمیاں، علمی کارنامے، دعوتی اسفار اور ملاقاتیں اور تحریکی توسیع واستحکام کے لیے کی گئی جانفشانیاں، غرض اس کا ایک ایک حصہ زبانِ حال سے ہمیں پیغام دے رہا ہے کہ کھانے پینے اور شہوت پوری کرنے جیسے معمولی کام تو جانور بھی کرتے ہیں، اگر انسان بھی انہی کاموں اور خواہشوں کے لیے جیا تو کیا جیا؟ پھر اس میں اور حیوان میں فرق کیا ہوا؟

انقلابی شخصیات مر کر بھی زندہ رہتی ہیں۔موت ان کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے، مگر وہ اپنے افکار سے، اپنی روحانیت سے، اپنے اثرات سے، اپنے کارناموں سے، اپنی دکھائی اور کھولی ہوئی راہوں سے اور نوعِ انسانی پر اپنے احسانات سے زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔دلوں میں ان کی محبت اور عظمت پسِ مرگ بھی باقی رہتی

ہے۔ صدیوں تک اہلِ وفا انھیں یاد کرتے ہیں۔ ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ نسل در نسل انھیں ایک نمونے اور آئیڈیل کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ تو دنیا میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو اجرِ عظیم تیار کیا ہوا ہے، وہ اس فانی اور ذلیل دنیا سے ناقابلِ قیاس وگمان حد تک بہتر ہوگا۔ دنیا میں ان کی نیک نامی تو محض بارانِ رحمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے بتادیتا ہے کہ میں اسے چاہتا ہوں، تم بھی اسے چاہو۔ تو جبریل اس بندے کو اپنا محبوب بنالیتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں کو پکار کر بتاتے ہیں کہ فلاں بندے کو اللہ چاہتا ہے، تم بھی اس سے محبت رکھو۔ لہٰذا اہلِ فلک اسے چاہنے لگتے ہیں۔ پھر کرۂ ارض پر دلوں میں اس کی مقبولیت ومحبوبیت رکھ دی جاتی ہے۔'' [**إذا احب اللّٰہ العبد نادی جبریل إن اللّٰہ یحب فلانا فاحبه فیحبه جبریل فینادی جبریل فی أهل السماء إن اللّٰہ یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض**] (صحیح بخاریؒ: ۳۲۰۹۔ صحیح مسلمؒ: ۲۶۳۷۔ سنن ترمذیؒ: ۳۱۶۱)

مولانا محترم کی وفات حسرت آیات پر تمام حلقوں کی طرف سے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہ آں محترم کی ہر دلعزیزی کا اعلامیہ بھی ہے اور عند اللہ ان کی مقبولیت ومحبوبیت کے نیک گمان کا استعارہ بھی۔

یقیناً ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے کسی کے اخروی انجام کا فیصلہ سنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، سوائے ان چند نفوسِ قدسیہ کے جنھیں اللہ کے رسول ﷺ نے نام بہ نام جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔ ورنہ حضرت عثمانؓ بن مظعون کو دیکھو کہ ''السابقون الاولون'' یعنی اولین ایمان لانے والوں میں شامل ہیں اور اللہ کی راہ میں ستائے گئے اور گھر بار چھوڑا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت ام العلاءؓ انصاریہ نے کہا کہ اے ابوالسائبؓ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام فرمایا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ اللہ کے اوپر قسم کھانے والی کون ہے؟ تمھیں کس نے بتایا کہ اللہ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ اللہ کی قسم، حالانکہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، مگر نہیں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ میرا رب کیا کرے گا۔'' [**أشهد علیک ابا السائب لقد اکرمک اللّٰہ فقال من هذه المتالیة علی اللّٰہ وما یدریک ان اللّٰہ اکرمه واللّٰہ ما ادری وانا رسول اللّٰہ مایفعل اللّٰہ بی**] (صحیح بخاریؒ: ۷۰۰۳۔ مسند احمدؒ: ۲۷۴۵۷)

تاہم عام اہلِ ایمان جب کسی بہ ظاہر نیک اطوار یا مستور الحال مسلمان کو ''شہید'' یا ''مرحوم'' یا ''مغفورلہ'' کہتے ہیں تو ایسا وہ یقین اور وثوق کے ساتھ نہیں کہتے، بلکہ ''من باب التفاؤل'' اور حسن ظن رکھتے ہوئے کہتے ہیں اور اس کی گنجائش فقہائے کرام نے دی ہے۔

حیران ہوں کہ کن الفاظ میں قارئین سے مولانا محترم کا تعارف کراؤں۔ وہ ایک نادرۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ باکمال اور بے مثال! ان کی شان بہت بلند تھی۔ ذہانت وفطانت میں فائق، ادب ولغت کے ماہر، قرآن کے بہترین مفسر، احادیث کے بہترین شارح، علومِ دینیہ میں نکتہ رس اور دقیقہ سنج۔ ہمیشہ غور وفکر میں ڈوبے ہوئے۔

ان کا سراپا کیسا تھا؟ دراز قد، بھرا ہوا کھڑا چہرا، متناسب ناک نقشہ، داڑھی سفید اور گھنی، رنگ سرخی ملا ہوا سفید، آنکھیں نیم باز، ہونٹ بھرے ہوئے، دانت موجود تھے، نہیں معلوم اصلی تھے یا شیخوخت کی وجہ سے مصنوعی، بدن پر کرتا جس پر گرمیوں میں واسکیٹ اور سردیوں میں شیروانی بالعموم ہوتی تھی، سخت سردی میں گرم موٹا اوورکوٹ زیب تن فرماتے، پاؤں میں سفید براق پاجامہ جس کی مہری معمول سے زیادہ چوڑی ہوتی تھی، خوبصورت جوتا یا نفیس سینڈل، چلنے میں قدم بالکل برابر رکھتے، رفتار ہلکی ہوتی، اخیر سالوں میں کمر کچھ خمیدہ ہوگئی تھی، کسی دور میں لمبی مسافتیں پیدل ناپ لیتے تھے، مگر اخیر عمر میں چلت پھرت کم ہوگئی۔ طبیعت بہت نفیس ونستعلیق تھی، گھر ہو کہ دفتر ہر چیز مرتب ومہذب رکھتے۔ کم گو تھے، الا یہ علمی گفتگو ہونے لگے، تب جلوۂ گفتار دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔

میں ''اسلامی اکیڈمی'' دہلی میں تدریسی ملازمت کے سلسلے میں مرکز جماعت میں فروکش ہوا تو پہلی بار قریب سے مولانا مرحوم کو دیکھنے، سمجھنے، جانچنے اور پہچاننے کا موقع ملا۔ یہ مولانا محترم کی امارت کا پہلا دورانیہ تھا۔ چند ماہ بعد ہی محسوس کیا کہ مولانا محترم کی زندگی ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے اور اس کے متعدد ابواب باہم دگر ایسے مربوط اور مشابہ ہیں کہ ان میں سے کسی ایک باب کا، بلکہ ایک ورق کا بھی مطالعہ بغور کر لیا جائے تو بقیہ ابواب واوراق کے مطالعے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور پوری کتاب کے بارے میں ایک صحیح اور جامع رائے قائم کر لینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

شخصی حالات کے علاوہ جہاں تک مولانا محترم کی عمومی سیرت وکردار کا تعلق ہے، خوش قسمتی سے اس سے متعارف ہونے کے مجھے بہت سے مواقع میسر آئے۔ متعدد مسائل پر مولانا محترم سے سنا اور سیکھا اور متعدد

حالات میں ان کے طرزِ عمل اور رویوں کا مشاہدہ کیا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی عظیم شخصیت کی صحبت ورفاقت کے دوران گونا گوں تجربات،مشاہدات اور تاثرات کے جونقوش دل ودماغ پر مرتسم ہوجاتے ہیں،انہیں الفاظ کا جامہ پہنانا آسان کام نہیں ہوتا۔ایسی حالت میں انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں سے شروع کرے اور کہاں جا کر بات ختم کردے۔کس چیز کو بیان کرے اور کس چیز کو چھوڑ دے۔

قریب تھے تو قیامت کا لطف آتا تھا

ہوئے جو دور تو یادوں کا حشر برپا ہے

عرب ممالک سے خط وکتابت کے سلسلے میں مولانا محترم مجھے طلب فرماتے تھے۔ایک بار مکالمہ بین الادیان یا ''انٹرفیتھ ڈائیلاگ'' کے سلسلے میں میرے الفاظ دیکھے تو ٹوکا اور فرمایا:''مغربی اصطلاح کی رو سے مکالمہ بین الادیان کا مطلب ہے کہ ہر دین ومذہب کے لوگ کسی ایک جگہ بیٹھ کر گفتگو کریں اور جس مذہب کی جو بات غلط ہو اسے اس کے ماننے والے چھوڑ دیں اور متفق علیہ باتوں پر تعاون اور بقائے باہم کی بنیاد رکھی جائے۔مگر ایک مسلمان کے لیے مکالمہ بین الادیان کا یہ اصطلاحی مفہوم کفر ہے۔اسلام دینِ حق ہے اور کوئی بندۂ مومن اپنے دین کے کسی ایک حصے سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا ہے۔مسلمان جب اس نوع کے اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شریک ہوتا ہے تو اس کا مطمحِ نظر بس یہ ہوتا ہے کہ اپنے دین کی حقانیت پر کامل یقین رکھتے ہوئے غیر مسلموں کو حق کی طرف بلانے اور قریب کرنے کے لیے ان تعلیمات پر زیادہ زور دے جو دینِ فطرت اسلام اور دیگر ادیان ومذاہب میں مشترک ہیں۔**یااھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم**۔ہمیں بین الملی مکالمہ اور تقریب بین المذاہب کے نعروں سے متاثر ہوکر اس حد تک نیچے نہیں گرنا چاہیے کہ محسوس ہو کہ ہم اپنے دین کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں اور اب مل بیٹھ کر اس کے بعض حصوں کی تراش خراش کرنا چاہتے ہیں۔'' گفتگو کا مدعا اور لبِ لباب یہی تھا جسے میں نے الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

ایک بار میں نے ان کا نام ''جلال الدین انصر عمری'' لکھا تو اس پر مجھے ٹوکا اور فرمایا کہ نانیہالی رشتے داروں کی طرف سے میرا یہ گھریلو نام ''انصر'' رکھا گیا ہے،ورنہ میرے والد اور دادا نے میرا نام ''جلال الدین'' ہی رکھا ہے،اور مجھے دونوں ناموں کی یکجائی پسند نہیں۔بعض لوگ غلطی سے مولانا کے نام کے ساتھ ''انصر'' کا لاحقہ لگا دیتے ہیں۔میں ایک عرصے تک اس غلط فہمی کا شکار تھا کہ مولانا شاعر ہیں اور ''انصر'' تخلص ہے۔مگر مولانا کی وضاحت سے یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

صنفِ نازک کے حقوق کے حوالے سے جو اعتراضات دینِ حق پر وارد کیے جاتے ہیں ان کے ردّ وابطال کے سلسلے میں مولانا محترم کی ذات مرجعِ خلائق تھی۔ اسلام کے عائلی نظام اور اس کی خصوصیات پر مولانا محترم نے ایک پورا مکتبہ تیار کر دیا ہے اور یہ اتنا ٹھوس اور وسیع الاطراف کام ہے جو پوری پوری انجمنیں اور مستقل اکیڈمیاں ہی کر پاتی ہیں۔

مولانا کا خاص فن فقہ وفتاویٰ تھا۔ اس میں انھیں غیر معمولی استحضار تھا جس کا منھ بولتا ثبوت مولانا کی کتابیں ہیں۔ بالخصوص ''غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق''، ''تحقیقاتِ اسلامی کے فقہی مباحث'' اور ''صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات'' وغیرہ کتابیں ان کی فقہی ژرف نگاہی اور مجتہدانہ شان کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ بہ ایں ہمہ علم وتفقہ وہ تواضع وانکساری کے پیکر تھے۔ دینی مسائل میں شذوذ اور تفرد سے کوسوں دور تھے۔ البتہ مسالکِ اربعہ اور دیگر فقہی آراء میں سے جسے دلائل کی روشنی میں مضبوط پاتے اسے اختیار فرما لیتے تھے۔ کثرت وتکرارِ مطالعہ نے تمام کتابیں ان کے ذہن ودماغ میں محفوظ کر دی تھیں۔ کسی مسئلے کے بارے میں بارہا فرمایا کہ فلاں فقہی کتاب کے فلاں باب میں ذکر ہوا ہے، اور کتاب جا کر دیکھی گئی تو واقعتاً وہ مسئلہ وہاں مل گیا۔

اپنے وقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وقت ضائع کرنے کا ان کے یہاں کوئی خانہ ہی نہیں تھا۔ دوسروں کو وقت برباد کرتا ہوا دیکھ کر پیچ وتاب کھاتے اور ممکن ہوتا تو ضرور ٹوک دیتے۔ بولتے تھے تو گفتگو مختصر ہوتی، مگر عام فہم اور دلنشیں۔ صرف مغز بولتے تھے۔ مشکل مسائل کو نہایت آسان مثالوں سے سمجھا دینے کا ملکہ حاصل تھا اور مثالیں اتنی دلچسپ دیتے کہ آدمی انھیں بھولنا چاہے تو نہ بھول سکے، مگر اتنی نازک ہوتیں کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا بیان بھی نہ کر سکے۔ ان کی کتاب ''اسلام کی دعوت'' اس حوالے سے بڑی شاندار کتاب ہے۔ وفات کے بعد مولانا کے عقیدت مندوں نے ان کی کتابوں کے اقتباسات سے سوشل میڈیا بھر دیا ہے جن میں ایسی بہت سی مثالیں بھی آ گئی ہیں۔

ان کا اسلوبِ نگارش علمیت سے معمور تھا، مگر ادبیت کا ذائقہ لیے ہوئے۔ سادہ اور دلچسپ انداز میں لکھتے تھے۔

معاشرتی آداب اور رکھ رکھاؤ کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر مولانا محترم کی نگاہ خوب رہتی اور خوردوں کو بھی ان کا خوگر بنانے کی کوشش کرتے۔ جن لوگوں نے مولانا کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا ہے وہ جانتے ہیں کہ چھوٹوں کی تربیت کے سلسلے میں ان کا حال کیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی گُر کی باتیں خوب بتایا کرتے تھے۔ میں نے

کبھی ان کو فکر و نظر، سلوک و برتاؤ اور اسلوب و گفتگو میں اپنے معروف بلند معیار سے سے فروتر نہیں پایا۔ ہمیشہ ان کی سوچ اعلیٰ ہوتی۔ وہ مثالی طرزِ فکر کے حامل تھے۔ ہمیشہ اعلیٰ اقدار پر نظر رہتی۔ حکماء و فلاسفہ کی طرح سوچتے تھے اور گفتگو بہت ٹھیر ٹھیر کر آہستہ آہستہ کرتے تھے۔

ان کی عالی ظرفی اور خوش اخلاقی اور خورد نوازی کا یہ حال تھا کہ ہم ایسے کم علم اور نو عمر بھی اپنی کم علمی و بے بضاعتی کے باوجود ان کے یہاں بار پا لیتے اور ان کی توجہ حاصل کر لیتے اور وہ از راہِ لطف و کرم یوں عنایت فرما ہوتے کہ تکلف کے تمام حجابات اٹھ جاتے تھے۔ متانت کے باوجود مجلسی زندگی میں ہلکے پھلکے اور بذلہ سنج تھے۔ گاہے ہنستے ہنساتے بھی تھے۔ میں مدینے سے فراغت کے بعد جامعۃ الفلاح میں پڑھانے لگا اور وہ شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لائے۔ میں نے جا کر ملاقات کی تو بہت خوش ہوئے۔ حال پوچھ کر دعائیں دیں۔ اصرار کر کے میرے بچوں کو بلوایا اور مل کر ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا، ڈھیروں دعائیں دیں اور خود کو ان سے ''دادا جان'' کہلا کر مسرت کا اظہار کیا۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم
جو یاد نہ آئے بھول کے پھر، اے ہم نفسو، وہ خواب ہیں ہم

دہلی میں ایک دفعہ بے تکلفانہ مجھ سے کہا کہ تم داڑھی پوری رکھو۔ میں طرح دے گیا کہ وقت آنے پر انشاء اللہ یہ بھی کروں گا۔ ہمارے خسر مولانا شمس الحق شمیم صاحب، مولانا مرحوم کے قدیم شناساؤں اور دوستوں میں سے تھے۔ میرے جواب پر مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ ''شاید اہلِ خانہ داڑھی رکھنے سے منع کرتے ہیں، میں شمیم صاحب سے بات کروں گا اور کہوں گا کہ آپ کی بیٹی ہمارے ایک رکنِ جماعت کو داڑھی رکھنے سے روکتی ہے۔'' میں نے گھر آ کر یہ بات اہلِ خانہ کو بتائی تو وہ بڑے محظوظ ہوئے۔ مولانا نے کہا تھا کہ ''آج ہندوستان میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی باتیں بہت ہوتی ہیں۔ میرے پاس ایک فارمولہ ہے جس پر اگر اسلامیانِ ہند عمل پیرا ہو جائیں تو ان کی صفوں کی شیرازہ بندی میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ انھیں دو کام کرنے ہوں گے۔ ایک تو ہر مسلمان شرعی داڑھی رکھے اور دوسرے جہاں اور جس وقت فرض نماز کا وقت آ جائے تو تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔ سکھ برادری کی آبادی کا تناسب مسلمانوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، اس کے باوجود انھوں نے اپنے ظاہری شعار کی حفاظت کی ہے اور ہر جگہ نمایاں اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے اندر اجتماعیت کا احساس پوری طرح پختہ اور توانا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں میں یہ وصف

مفقود ہے۔ حالانکہ دینِ اسلام نے محمدﷺ کو ہر امتی کے لیے اسوہ اور آئیڈیل کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ظاہر و باطن میں محمدی رنگ اور نہج کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے اپنے ملی شعار اور ظاہری تشخص کو از خود پامال کیا ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شر پسند عناصر کسی بھی پبلک مقام پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یاوہ گوئی اور دشنام طرازی کرتے ہیں اور ہر مسلمان دبکا بیٹھا رہتا ہے کیونکہ اسے خیال ہوتا ہے کہ وہ یکہ وتنہا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اگر مسلمان اپنی ظاہری وضع قطع میں یکسانیت پیدا کر لیں تو اس کا بڑا اثر ان کی شیرازہ بندی کی شکل میں ظاہر ہوگا اور وہ ڈر اور خوف کی نفسیات سے باہر آسکیں گے۔''

ادھر کچھ عرصے سے ملکِ عزیز میں جس طریقے سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور عوامی جگہوں پر نماز پڑھنے کو ایک جرم کی حیثیت سے دیکھا اور سمجھا جا رہا ہے اور اس پر باقاعدہ گرفتاریاں اور سزائیں ہو رہی ہیں؛ یہ سب دیکھتے ہوئے بڑی شدت سے مولانا محترم کی کہی باتیں یاد آتی ہیں۔

مولانا کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس کے کیا اثرات ہندوستانی مسلمانوں پر پڑیں گے، بالخصوص جماعتِ اسلامی اور دینی تحریکات پر اور بالأخص مادرِ علمی جامعۃ الفلاح پر؛ یہ ابھی مستقبل کے پردے میں پوشیدہ ہے۔ جماعتِ اسلامی کے بارے میں پہلے ہی یہ تاثر عام ہے کہ اس میں علمائے دین کا تناسب اور نمائندگی بہت کم ہے، ایسے میں مولانا محترم جیسی قد آور اور معتبر علمی و دینی شخصیت کا اٹھ جانا بہت بڑا سانحہ ہے۔

مولانا محترم کا اپنا ایک علمی وقار اور دبدبہ تھا۔ ان کی تحریکی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں تھیں جن کی وجہ سے نام نہاد فکری اشرافیہ ان کے آگے دم نہیں مارتا تھا اور اسے زیادہ پر پھیلانے کی چھوٹ نہیں تھی۔ مگر اب اللہ جانے کیا کیا تغیرات لا دیے جائیں اور کتنے دینی مسلمات کے انکار کی بیار چلے۔ بس اللہ ہی خیر کا معاملہ فرمائے۔ اسی پر بھروسہ ہے اور وہی تنہا سہارا ہے۔

غالباً ماہر القادری نے کسی جگہ لکھا ہے کہ انسانوں کی زندگی کو جانچنے کا یہ پیمانہ انتہا پسندی کا ایک عجوبہ ہے کہ یا تو آدمی بالکل فرشتہ ہو اور جو فرشتہ نہیں ہے وہ لازماً شیطان ہی ہوگا۔ ان دو انتہاؤں کو انسانی زندگی کے لیے معیار بنانا بنیادی طور سے غلط ہے۔ تنزیہ کامل اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہے، اور عصمت انبیائے کرام کے لیے مخصوص رکھی گئی ہے۔ دنیا میں کوئی شخص چاہے علم و تقوی کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز کیوں نہ ہو جائے، وہ بہر حال معصوم نہیں ہو سکتا ہے۔

یقیناً مولانا محترم میں کچھ بشری کمزوریاں رہی ہوں گی جو باریک بینوں اور عیب چینوں کو نظر بھی آتی ہوں گی۔ مجھے ان کمزوریوں سے انکار نہیں ہے، تاہم مولانا محترم کی گوناگوں خوبیوں اور تہہ در تہہ اچھائیوں کے سامنے ان کمزوریوں کا تناسب صفر کے برابر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ کم لوگ اس ہمت اور حوصلے کے نکلیں گے۔ امید نہیں تھی کہ مولانا یوں آناً فاناً ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔ بہ ظاہر آپ تندرست دکھائی دیتے تھے، سوائے اس نقاہت کے جو پیرانہ سالی کا لازمہ ہوتی ہے۔ مگر ہر متنفس کو جانا ہے، اس لیے مولانا کا وقتِ موعود بھی آپہنچا اور طے شدہ عمر پوری کر کے علم وحلم، عزم و جزم، تہذیب و شرافت، ذہانت و فراست کا یہ پیکرِ جلیل اس خاکدانِ ارضی سے رحلت کر کے اپنے ربِ حقیقی سے جاملا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور کسی حد تک ان جیسا بننے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین!

مولانا نظام الدین اصلاحیؒ

جرأت وبے باکی اور جہد مسلسل کا ایک نام

مولانا محمد اسماعیل فلاحی

ہمارے دلوں میں بسنے والے، ہر دل عزیز استاد مولانا نظام الدین صاحب کا ۲۵ر ستمبر ۲۰۲۲ء کی صبح نو بجے 'ارا' ہاسپٹل لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ تدفین ان کے گاؤں چاند پٹی میں ہوئی۔ عمر لگ بھگ ترانوے پنچانوے سال رہی ہوگی۔ مولانا سے میرے تعلقات کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک شاگرد کے طور پر، دوسرے لگ بھگ تیس سالوں تک ساتھی استاد کی حیثیت سے۔

عربی چہارم میں انھوں نے ہمیں عربی ادب اور قرآن مجید پڑھایا تھا۔ عربی ششم میں حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی۔ تدریس پر پورا عبور تھا۔ طلبہ کو مطمئن کر دیتے، تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ ایسا بھی ہوتا کہ نحو و صرف سے متعلق کسی طالب علم کے سوال پر حوصلہ افزائی کے لیے میری طرف اشارہ کر کے کہتے کہ سیبویہ سے پوچھ لو۔ کبھی خود مجھ سے فرماتے کہ بتا دینا۔ میرے درجے کے تمام طلبہ اپنے کو ان سے قریب سمجھتے، ہٹو بچو والی کوئی بات نہیں تھی۔ مجھ سے اور تحریکی مزاج رکھنے والے میرے ساتھیوں سے بے تکلفی کے ساتھ اظہار خیال کرتے، ہمیشہ ہنستے مسکراتے پایا۔ ایمرجنسی کے زمانے میں سنت یوسفی کی بھی سعادت حاصل کی۔ جنتا پارٹی جیتی تو بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ایمرجنسی ہٹنے اور جماعت اسلامی سے پابندی اٹھنے پر ایک طرح سے جشن کا ماحول تھا۔ مولانا ہم لوگوں کا مرکز تھے۔ ہم ان کے کمرے میں تھے، انھوں نے سب کو جلیبی کھلائیں۔ ہمارے ساتھیوں میں بلا کے ذہین ایک خورشید آنوک ان کے بڑے گرویدہ تھے۔ اپنی عادت کے مطابق ان سے فلسفیانہ سوالات اور بحث و مباحثہ کرتے رہتے، وہ بھی اس موقع پر شریک تھے۔ ایمرجنسی میں جماعت پر

پابندی تھی تو ہم طلبہ نے نوجوانوں کی ایک تنظیم 'تنظیم الشبان' بنائی تھی ، جس کی تاسیس میں ہمارا کلاس اور ہمارے بعد کا کلاس پیش پیش تھا۔ اس کے نمایاں افراد اس خوشی کے موقع پر مولانا کے کمرے میں تھے۔ ہم نے پورے دورانِ طالب علمی میں ان کی پیشانی پر شکن نہیں دیکھی۔ کبھی کسی موقع پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمارے دورانِ طالب علمی میں تمام اساتذہ میں سب سے بڑھ کر تحریکی شعور اور فکر پیدا کرنے والے اور تحریکی کاموں کے لیے حوصلہ دلانے اور مہمیز (Motivate) کرنے والے مولانا نظام الدین صاحب تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی یہی تحریکی فکر اور تحریکی سرگرمی مدرسۃ الاصلاح سے ان جیسے اساتذہ کی علیحدگی کا سبب بنی تھی۔

تقسیم ہند کے بعد جب جماعت اسلامی ہند نئے سرے سے منظّم ہوئی تو اس کے پہلے امیر جماعت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی منتخب ہوئے۔ وہ ان دنوں اصلاح میں حدیث کا درس دیتے تھے، اس وجہ سے جماعت کا پہلا مرکز مدرسۃ الاصلاح سرائے میر بنا۔ اس وقت کی جماعتی سرگرمیوں اور اجتماعات وغیرہ سے متعلق رپورٹ اور پلاننگ کی متعدد کاپیاں میرے گھر پر ہیں۔ اس میں ۱۳۶۶ھ جمادی الاولیٰ میں ہمدردانِ جماعت میں مولانا نظام الدین صاحب کا نام ہمیں ملتا ہے۔ ۱۳۶۸ھ میں علمی تیاری کے لیے ایک مجلس بنی، اس میں دوسرے ناموں کے ساتھ مولانا نظام الدین صاحب کا نام سب سے پہلے نظر آتا ہے، اسی طرح مضافات میں دعوتی کام کے سلسلہ میں چار گروپ تشکیل دیئے گئے تھے، ان میں ایک گروپ میں مولانا نظام الدین صاحب موجود ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ۱۳۶۷ھ شوال سے پہلے تو مولانا ابواللیث اصلاحی صاحب کا نام امیر جماعت کی حیثیت سے اس کاپی میں نظر آتا ہے، لیکن ۱۳۶۷ھ شوال سے ان کا نام فہرست سے غائب ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزِ جماعت دوسری جگہ منتقل ہوگیا اور امیر جماعت بھی وہاں منتقل ہوگئے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جماعت سے ان کی وابستگی بالکل ابتدائی دور سے رہی ہے۔ انتہائی قدیم ترین رکن جماعت تھے، اس وقت ان سے زیادہ قدیم کوئی دوسرا رکن نہیں تھا۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے اس دور کے سارے لوگ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مولانا نظام الدین اصلاحی نے جماعت کا ہر دور دیکھا ہے۔ سرد و گرم ہر دور میں وہ جماعت سے وابستہ اور تمام نشیب و فراز میں جماعت کے ہم رکاب رہے۔ اعظم گڑھ کی تحریکی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔

مولانا نظام الدین اصلاحی نے عنفوان شباب ہی میں اپنے آپ کو جماعت کے حوالہ کر دیا تھا۔ مختلف ذمہ داریاں ان کے سپرد رہیں۔ علاقہ گورکھپور کے ناظم مختلف اوقات میں مدھیہ پردیش اور گجرات کے

امیر حلقہ، مجلس نمائندگان اور مرکزی شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے وہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ جماعت سے الگ ہٹ کر ’آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ‘ اور ’اے ایم یو کورٹ کے بھی ممبر رہے۔ ’جامعۃ الفلاح، بلریا گنج‘ کے صدر مدرس (آج کے دستورِ جامعہ کے مطابق مہتمم) رہے۔

مولانا کے دور صدارت سے قبل، جب کہ ہم لوگ جامعہ سے سندِ فضیلت لے چکے تھے، جامعۃ الفلاح میں ایک زبردست حادثہ پیش آیا۔ ہماری معلومات کے مطابق ایک کارکن اور بعض طلبہ کی ملی بھگت سے مولانا بشیر احمد اصلاحی مرحوم پر سونے کی حالت میں جان لیوا حملہ کر دیا گیا۔ سر پر گہرا زخم آیا، ہفتوں کوما (coma) جیسی حالت میں بے ہوش رہے اور زندگی بھر کے لیے معذور ہو گئے۔ پہلے تو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ شرم ناک اور بزدلانہ حرکت کس نے کی ہے۔ بعد میں ایک ایک راز کھلتے گئے، اس زمانے میں جامعۃ الفلاح میں خوف ودہشت کا یہ عالم تھا کہ شدید گرمی میں بھی طلبہ کمروں کے اندر سوتے تھے؛ باوجود یہ کہ کمروں میں بجلی کے پنکھے نہیں تھے۔ باہر برآمدے اور صحن میں کوئی اپنی چوکی یا چار پائی نہیں نکالتا تھا؛ جب کہ اس حادثہ سے پہلے بالعموم تمام طلبہ گرمی کے زمانے میں اپنے بستر کمروں کے باہر لگاتے تھے۔ اس حادثے کے وقت مولانا شبیر اصلاحی مرحوم جامعہ کے صدر مدرس تھے۔ حالات کی نزاکت کی وجہ سے یہ جگہ لینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ مولانا عبدالحسیب اصلاحی مرحوم صدر مدرس ہوں گے اور ایک نیا منصب نگرانِ اعلیٰ کا متعارف کرایا گیا جس کا مقصد طلبہ کے اندر نظم وڈسپلن پیدا کرنے اور ان کی اصلاح وتربیت کے ساتھ انھیں کنٹرول کرنا تھا۔ اس کے پہلے نگرانِ اعلیٰ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری مولانا نظام الدین اصلاحیؒ کو سونپی گئی۔

قارئین! اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان حالات میں یہ ذمہ داری لینا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا تھا حوصلہ اور جرأت کے ساتھ نامساعد حالات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت کا وافر حصہ مولانا نظام الدین اصلاحی کو قدرت کی طرف سے ملا تھا اور انھوں نے اسے بہ حسن وخوبی نبھایا۔

مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم نے ایک بار مولانا ابواللیث اصلاحی کے بارے میں میرے سامنے کچھ اس طرح کا اظہارِ خیال فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی اعصاب کی مضبوطی بخشی تھی، ہم لوگوں کے ساتھ کئی مواقع ایسے آئے کہ ہم لوگ ہل گئے اور پریشان ہو گئے، لیکن مولانا ابواللیث صاحب پر کوئی اثر نہیں پڑا، اطمینان وسکون اور پامردی واستقامت کا پیکر نظر آتے۔ مولانا نظام الدین صاحب بھی تو مولانا ابواللیث اصلاحی کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ صلابت واستقامت ان کی وراثت اور روایت کا حصہ تھی۔

مولانا نظام الدین صاحب غریب طلبہ کی ضرورتوں پر نگاہ رکھتے تھے اور خاموشی سے ان کی ضرورتیں پوری کردیا کرتے تھے۔ ایک واقعہ تو مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک طالب علم کو شدید جاڑے میں بغیر سویٹر کے دیکھا تو اسے ایک سویٹر خرید کردے دیا۔ اس طالب علم کے سرپرست نے جب اس کی قیمت بھیجی تو وہ رقم بھی انھوں نے اسی طالب علم کے حوالے کردی۔

مولانا نظام الدین اصلاحی عربی زبان وادب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کا بھی اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ ہماری طالب علمی کے زمانے میں استادگرامی ماسٹر اکرام الدین صاحب مرحوم الہ آباد سے کسی کالج سے رٹائرمنٹ کے بعد جامعۃ الفلاح تشریف لائے تھے، سائنس ان کا اختصاص تھا، نائب صدر کی حیثیت سے یہاں خدمات انجام دے رہے تھے، جماعت کے قدیم رکن تھے، بڑے باصلاحیت انسان تھے۔ فجر سے پہلے اٹھ جانے کا ان کا معمول تھا، عربی زبان کی بھی لیاقت پیدا کرلی تھی، عربی میں تفسیریں پڑھتے تھے، ایک کتاب کے مصنف بھی تھے، کتاب کا نام اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔ ایک بار انھوں نے کہا: عربی میں کوئی خاص بات نہیں ہے، مولانا نظام الدین صاحب نے جواب دیا کہ انگریزی میں کیا رکھا ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کا امتحان لیا۔ ماسٹر صاحب نے انگریزی کا جو سوال کیا مولانا فوراً اس کا جواب دے دیا؛ لیکن مولانا نے قرآن مجید سے ایک سوال پوچھا تو وہ جواب نہیں دے سکے۔ اس واقعہ سے مولانا نظام الدین صاحب کی انگریزی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا نظام الدین اصلاحی بڑے ذہین آدمی تھے۔ بلا کا حافظہ تھا، آخر تک یادداشت میں فرق نہیں آیا تھا۔ مدرسۃ الاصلاح میں دوسرے اساتذہ کے علاوہ انھوں نے مولانا اختر احسن اصلاحی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے بطور خاص کسب فیض کیا تھا۔ جماعتی ذمہ داریوں کی وجہ سے ایک لمبے عرصے تک درس وتدریس سے الگ رہنے کے بعد جب وہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج آئے تو ذرا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص تدریس کی دنیا سے بہت دنوں تک غائب رہا ہے۔ تمام چیزیں ذہن میں تازہ تھیں۔

مولانا نظام الدین صاحب کے کمرے کا پچھلا حصہ، پیچھے کی طرف جہاں کھلتا تھا، وہیں مولانا جلیل احسن ندویؒ کے کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ جامعۃ الصالحات رام پور میں تعلیم حاصل کرنے والی، بلریا گنج اور اس کے مضافات کی بعض طالبات چھٹیوں میں مولانا جلیل احسن ندویؒ سے قرآن پڑھنے ان کے کمرے میں آتیں تو مولانا نظام الدین صاحب کے علمی شوق کا حال یہ تھا کہ وہ مولانا جلیل احسن ندویؒ کی

کھڑکی کے قریب کرسی پر کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے اور استفادہ کرتے۔

یوں تو ہم چاروں بھائیوں-محمد اسماعیل، محمد اسحاق، محمد یعقوب، محمد احمد- پر ان کی خصوصی نظر تھی؛ لیکن راقم پر غیر معمولی عنایت اور شفقت و محبت فرماتے، جسے دوسرے بھی محسوس کرتے۔ ابھی جب کہ یہ تحریر لکھ رہا ہوں بعض احباب کا فون آیا کہ وہ تو تمھیں بڑی اہمیت دیتے اور بہت مانا کرتے تھے، شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میرے والد محمد عالم صاحب مدرسۃ الاصلاح میں استاد اور اتالیق رہے ہیں۔ عمِ محترم مولانا شہباز اصلاحی بھی فراغت کے بعد وہاں استاد تھے اور چھوٹے چچا محمود عالم صاحب بہ حیثیت طالب علم اس زمانے میں وہاں تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ مولانا نظام الدین صاحب بھی وہاں تھے۔ ان لوگوں میں باہم گہرے مراسم تھے۔ دعوتی اور تحریکی میدان میں سب متحرک تھے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے، یہی تعلق خاطر تھا کہ مولانا نظام الدین صاحب کبھی کبھی پوچھا کرتے تھے کہ عالم صاحب کیسے ہیں؟ محمود صاحب کا کیا حال ہے؟ اور مزید کلمات خیر کہتے۔ ایک ڈیڑھ ماہ قبل تک فون پر ان سے باتیں ہوتی رہی ہیں۔ میں بھی انھیں فون کیا کرتا اور وہ بھی کرتے۔ میری مرتب کردہ کتاب 'ذکر شہباز' کو کئی بار سراہا۔ اس کتاب میں 'ملایا' کے دو طالب علموں کے ڈوبنے کا ذکر ہے، انھوں نے بتایا کہ وہ 'ملایا' کے نہیں تھے؛ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ وہ 'غازی پور' کے دو سگے بھائی تھے۔

میں مدرس کی حیثیت سے جامعۃ الفلاح سے وابستہ ہوا تو مولانا نظام الدین صاحب سے مزید قربت بڑھی۔ وہ اچھے استاد تھے، شفقت فرماتے۔ پورے دورِ طالب علمی میں لگ بھگ تیس سالہ دورِ تدریس میں کبھی ان کے اندر کسی کے ساتھ معاصرانہ چشمک نہیں دیکھی۔ انھوں نے اپنے طرز عمل سے ہمیشہ حوصلہ دیا۔ مولانا جب صدر مدرس بنے تو نظم و ڈسپلن اور تحریکی سرگرمیوں کے اعتبار سے وہ ایک مثالی دور تھا۔ ان کا رعب تمام طلبہ اور کارکنان پر تھا؛ حالاں کہ انھوں نے کسی کو جھڑکا نہیں، کسی پر چھڑی نہیں اٹھائی، صرف چند جملے کہتے اور اس کا اثر ہوتا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ الرٹ ہو جاتے۔ مولانا اچھی انتظامی صلاحیت کے مالک تھے۔

مولانا نظام الدین صاحب کے ساتھ دو سمیناروں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ ایک مدرسۃ الاصلاح میں علامہ فراہیؒ پر سمینار ہوا تھا، اس میں مولانا نظام الدین اصلاحی نے علامہ فراہیؒ کی تصنیف 'فی ملکوت اللہ' پر مقالہ پیش کیا تھا، پیش کش کا انداز بھی پرکشش تھا۔ بعد میں سوالوں کے جواب مولانا نے جس انداز میں دیئے بالعموم سب کا احساس تھا کہ آج کا سمینار مولانا کے نام رہا۔ دوسرا سمینار سلفیہ بنارس میں ہوا

تھا۔ مبارک پور کے معروف اہل حدیث عالم مولانا عبید اللہ مبارک پوری صاحبِ 'مرعاۃ المفاتیح' کے فرزند مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اپنا وقت مولانا نظام الدین صاحب کو دے دیا یہ کہہ کر کہ میں اپنے استاد محترم مولانا نظام الدین کو دیتا ہوں۔ سلفیہ میں بھی مولانا کی گفتگو بڑی اچھی رہی اور وہ مجلس پر چھا گئے۔ اس موقع پر عرب کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ مولانا ان سے بے جھجھک روانی سے عربی بول رہے ہیں۔

دراصل مولانا ایک اچھے مدرس اور مربی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے خطیب بھی تھے۔ خداداد صلاحیت انھیں ملی تھی۔ آسان زبان میں دلوں میں اتر جانے والی آپ کی تقریر ہوتی۔ آپ کی تقریر ہمیشہ حوصلہ پیدا کرتی، یاس وقنوط کا لفظ ان کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔ ایسا بارہا ہوتا کہ ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں اگر مایوسی چھاتی تو تھوڑی دیر ان کی صحبت میں بیٹھ کر ایک نئی دنیا روشن ہو جاتی، جن کے دل بیٹھ رہے ہوتے ان کے دلوں میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی۔ ہم لوگ جان بوجھ کر حالات کا منفی پہلو ان کے سامنے رکھتے اور وہ اس کا مثبت پہلو ابھار دیتے۔ امیدوں کی شمعیں روشن ہو جاتیں۔ لگتا کہ اسلام کا سورج بس افق سے طلوع ہوا چاہتا ہے۔ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ نوجوانوں کے دلوں کو ہمت، ولولہ اور جوش سے بھر دیتے؛ لیکن جوش اشتعال، جذباتیت اور انتہا پسندی سے خالی ہوتا، ہوش وخرد ہمیشہ ساتھ ہوتے، ان کا ہر خطاب امیدوں کی ایک نئی دنیا لے کر آتا۔

مولانا نظام الدین اصلاحی محض زبان کے غازی نہیں تھے، انھوں نے عملاً اپنی جرأت و بے باکی کا ثبوت بھی فراہم کیا۔ مولانا شبیر احمد اصلاحی کے حادثہ کے بعد اس نازک دور میں جس طرح نگران اعلیٰ کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔ یہ اس کا بین ثبوت ہے۔ ایمرجنسی میں جیل گئے اور فسطائی طاقتوں سے جیل کے اندر روابط پیدا کیے، ان میں بعض کو اردو پڑھائی، یہ اس کا ثبوت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ان کے دور صدارت میں نومسلم بچوں کے معاملے کو لے کر فرقہ پرست طاقتیں، حکومت وقت، پولس اور پی اے سی کے جوان جس طرح ٹوٹ پڑ رہے تھے، بار بار آتے، دھمکاتے وغیرہ وہ ایک الگ کہانی ہے۔ یہ اس کے سنانے کا موقع نہیں، مولانا آہنی دیوار بن کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے، جس کے نتیجے میں سلاخوں کے پیچھے جانا گوارا کر لیا، جیل کے اندر بھی انھیں ڈرایا اور دھمکایا گیا؛ لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرا فرق نہیں آیا۔

جماعت اسلامی ہند اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے تمام احوال وظروف کا یہ آخری امین اپنے ساتھ ساری تاریخ لیے، اپنے ہزاروں چاہنے والوں کو سوگ وار چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا۔ بھرپور مجاہدانہ اور سرفروشانہ زندگی گزاری، پوری زندگی خوامخواہ لوگوں سے لڑنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ مشکل اوقات ان

پر آئے؛ لیکن انھوں نے حالات سے سمجھوتہ کیا، اپنا سر رگڑ کر چھوڑا نہیں۔ پوری زندگی لگا دینے اور ساری عمر پڑھانے کے بعد بعض دوسروں کی طرح انھیں بھی ریٹائرمنٹ کا کاغذ تھما دیا گیا۔ ظاہر ہے اس سے انھیں تکلیف تھی، ان کے قویٰ ابھی بحال تھے، ابھی سال دو سال پہلے تک وہ جوانوں سے بڑھ کر جوان معلوم ہوتے تھے، پھر نہیں معلوم کیوں ان میں سے بعض لوگوں کو دوبارہ بحال کیا گیا؟ لیکن برائے نام تنخواہ پر کلیۃ البنات میں۔ مولانا نظام الدین صاحب نے شکایت کیے بغیر اسے قبول کرتے ہوئے اپنا فیضان جاری رکھا۔

چند سال قبل اعظم گڑھ کے حالات کچھ ایسا رخ اختیار کرتے چلے گئے کہ ایک دفاعی سماجی پارٹی وجود میں آ گئی۔ اس میں بہت سے لوگ شامل ہوئے، مولانا نظام الدین صاحب بھی ان لوگوں میں تھے۔ اعظم گڑھ کے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس پارٹی کے قائدین پر جس طرح لوگ جان و دل نچھاور کرتے تھے۔ ہم نے ایسا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؛ لیکن جانے ان جانے میں کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا کہ اکثریتی طبقہ بدکتا چلا گیا اور اس کے اصل قائد کچھ ایسی زبان استعمال کر رہے تھے جس کا کسی طرح سے جواز نہیں تھا۔ اس عاجز نے اس صورت حال کی اصلاح کے لیے اس کے ذمہ داروں کے سامنے کچھ تجاویز رکھیں؛ لیکن اس کا کوئی حاصل نہیں نکلا۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ اس سماجی پارٹی نے عملی سیاست میں شمولیت کا اعلان کر کے اسے سیاسی پارٹی بنا دیا۔ شاید یہ پہلی ہی بڑی غلطی تھی۔ سارا بھرم کھل گیا۔ مولانا نظام الدین کو اس کا سرپرست بنا دیا گیا، ان کے نام کا استعمال ہوتا رہا؛ لیکن ہمارے لیے یہ اطمینان کی بات ہے کہ مولانا نے اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اس طرح کنارے کر لیا کہ ان کے دامن پہ کوئی دھبا نہیں آیا۔ سیاسی پارٹی بننے کا یہی وہ عمل تھا جس کے نتیجے میں اپنی پوری زندگی لگا دینے والے بزرگ مولانا نظام الدین صاحب اور بعض دوسرے عزیزوں کی جماعت سے علیحدگی کا غم ہمیں برداشت کرنا پڑا۔

مولانا! ہمیں آپ کی جدائی کا غم ہے۔ ہم کس سے تعزیت کریں؟ ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ بہرکیف آپ نے اپنے پیچھے بڑا صدقہ جاریہ چھوڑا ہے، اللہ اسے قبول فرمائے۔ آپ کی تربت پر رب کریم، ستار و غفار رحمت کی برسات کرے۔ جنت میں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کے بچوں کو حوصلہ اور صبر دے۔

مولانا تو اس دنیا سے جا چکے، وہ اپنے حصہ کا کام کر گئے، علم و تحقیق، درس و تدریس، دعوت و اصلاح اور تحریک کا جو چراغ انھوں نے جلایا تھا، ہمیں اس کی لو کو مدھم نہیں ہونے دینا ہے۔ **تلک امة قد خلت، لها ما کسبت و لکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون.**

علامہ قرضاوی مرحوم: ایک زبردست مجاہد صفت امام

عربی تحریر: احمد سامی الکومی
تلخیص وترجمانی: ابوالاعلی سید سبحانی

علامہ قرضاوی ایک زبردست عالم، ایک بڑے مفکر، ایک عظیم داعی، مجاہد، فقیہ اور شاعر مانے جاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے مفکر تھے جن کے یہاں زبردست ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اور علم کی وسعت کے اعتبار سے وہ اپنے آپ میں ایک علمی وفکری انسائیکلوپیڈیا مانے جاتے ہیں۔ علامہ قرضاوی کو اللہ نے بے پناہ علم سے نوازا، زبردست فقہی گہرائی سے مالا مال کیا، گہرے تجزیے اور آسان وعام فہم انداز تحریر کی نعمت عطا فرمائی، شریعت کے مقاصد پر انہیں خوب عبور حاصل ہوا اور حق بات کہنے کی اللہ نے انہیں خوب خوب قوت اور جرأت سے نوازا۔

علامہ یوسف القرضاوی موجودہ زمانے میں اعتدال پسند اسلامی مکتب فکر کی نمایاں ترین شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس مکتب فکر کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں عقل اور نقل کے درمیان توازن اختیار کیا جاتا ہے، اسلامی شریعت کے مقاصد تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسلامی ورثے اور تجدیدی فکر کے درمیان اعتدال کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، اور فروعی وجزئی احکام کو کلیات اور اصولوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فقہ اسلامی کے باب میں یہ مکتب فکر مشکلات کے بجائے آسانیاں فراہم کرنے کی بات کرتا ہے، اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ان کے ہاں تنفر کرنے کے بجائے خوشخبری دینے اور قریب کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس مکتب فکر کے پیش نظر بنیادی طور پر معاشرے کو جمود اور تقلید کے رجحانات سے آزاد کرانا اور فکری

پسماندگی کو دور کرنا ہوتا ہے۔

علامہ قرضاوی نے علمی اور دعوتی جدوجہد سے بھرپور اپنی زندگی میں بہت ہی غیر معمولی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن کی تعداد ایک سوستر (۱۷۰) سے زائد ہے۔ ان کتابوں کو دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور بیسیوں زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں اسلامی تہذیب وثقافت کے تعلق سے بہت ہی گہرا علمی سرمایہ ہیں، یہ اسلامی فکر کے تحت تجدیدی قسم کی کتابیں ہیں، یہ کتابیں جدید دنیا کے مسائل کے سلسلے میں شرعی رہنمائی اور اسلامی بیداری کے تعلق سے نوجوانوں کو فکری رہنمائی فراہم کرنے کا کام کرتی ہیں۔

علامہ قرضاوی نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو دعوت دین کے کام میں لگا دیا، انہوں نے امام حسن البناؒ کی تحریک میں شمولیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو ایک جامع ومتوازن فکری شاہراہ پر لگا دیا۔ امام حسن البناؒ کی تحریک میں شمولیت کے نتیجہ میں آپ کو دین کا ایک جامع تصور حاصل ہو گیا، جس تصور میں عقیدے اور شریعت میں یا دین اور سیاست میں کسی قسم کی تفریق نہیں تھی، جس تصور میں یہ بات صاف طور سے موجود تھی کہ اسلام ہر زمانے اور ہر مقام کے لیے رہنمائی کرنے والا دین ہے۔ علامہ قرضاوی کی شخصیت کو یہاں نکھرنے کا خوب موقع ملا، چنانچہ آپ نے فکر اور تحریک یا علم وعمل دونوں میدانوں میں خوب کمال حاصل کیا، اور پھر آپ نے فکری رہنمائی کا کام بھی کیا، اور نفوس کے تزکیہ کا کام بھی کیا، اور بڑھ چڑھ کر اللہ کی راہ میں قربانیاں پیش کیں۔ یقیناً علامہ قرضاوی نے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک زبردست عملی اور قابل تقلید مثال پیش کی۔

علامہ قرضاوی نے دعوت وتربیت کے سلسلے میں بہت ہی منفرد لٹریچر تیار کیا ہے، 'ثقافۃ الداعیۃ' نامی کتاب میں داعی کے اوصاف اور ذمہ داریوں پر شاندار گفتگو کی ہے اور 'التربیۃ الاسلامیۃ ومدرسۃ حسن البنا' میں تربیت کے تعلق سے بہت ہی شاندار گفتگو کی ہے۔

فقہی میدان میں وہ وسیع ترمعنوں میں ایک فقیہ کے طور پر نظر آتے ہیں، انہوں نے فقہ المقاصد، فقہ الاولویات، فقہ السنن، فقہ المآلات، فقہ الموازنات اور فقہ الاختلاف وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتاب 'دراسۃ فقہ المقاصد' مقاصد شریعت کے تعلق سے بہت ہی گہری تحقیق پیش کرتی ہے، جبکہ 'تیسیر الفقہ للمسلم المعاصر' میں نئی نسل کے مسلم نوجوانوں کے لیے فقہی مباحث کو بہت ہی آسان اور عام فہم بنا کر پیش کر دیا۔ آپ کی کتاب 'الفقہ الاسلامی بین الاصالۃ والتجدید' فقہ اسلامی کے سلسلہ میں تجدیدی خطوط کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور 'الاجتہاد المعاصر بین الانضباط والانفراط' میں اجتہاد کے تعلق سے افراط وتفریط پر مبنی رویوں کی نشاندہی کرتے

ہوئے صحیح طرز فکر کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔

اسلامی تحریک اور اسلامی بیداری کے تعلق سے بھی علامہ قرضاوی نے کافی لٹریچر تیار کیا ہے، اس لٹریچر میں صاف نظر آتا ہے کہ علامہ قرضاوی اسلامی تحریک کا کس قدر باریکی اور گہرائی سے جائزہ لے رہے ہیں اور اس کی صحیح سمت میں رہنمائی کے لیے کوشاں ہیں، اس ضمن میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ امت اور اسلامی بیداری کے تعلق سے لکھنے کی ضرورت ہے تو انہوں نے 'الصحوۃ الاسلامیۃ وھموم الوطن العربی والاسلامی' نامی کتاب لکھی، اور جب انہوں نے محسوس کیا کہ اسلامی تحریک کے کچھ افراد ترجیحات کے سلسلہ میں الجھنوں کا شکار ہیں تو انہوں نے آنے والے ایام میں تحریک اسلامی کی ترجیحات پر 'اولویات الحرکۃ الاسلامیۃ فی المرحلۃ القادمۃ' تصنیف فرمائی۔ ان کی کتاب 'فقہ الاولویات' یعنی دین میں ترجیحات کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

انہوں نے جب محسوس کیا کہ انتہا پسندی کا عنصر تحریک اسلامی کے ایک حصے کو اپنا شکار بنا رہا ہے تو انہوں نے 'الصحوۃ الاسلامیۃ بین الجحود والتطرف' تصنیف فرمائی، اور جب دیکھا کہ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے درمیان اختلافات ناخوشگوار طور پر آگے بڑھ رہے ہیں اور تحریک اسلامی کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو انہوں نے 'الصحوۃ الاسلامیۃ بین الاختلاف المشروع والتفرق المذموم' نامی کتاب تصنیف فرمائی، اور جب انہوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اسلامی تحریک کو صحیح خطوط کی جانب رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے تو انہوں نے 'الصحوۃ الاسلامیۃ من المراھقۃ الی الرشد' اور 'من اجل صحوۃ راشدۃ تجدد الدین وتنھض بالدنیا' تصنیف فرمائی۔

علامہ قرضاوی کہتے ہیں کہ اسلامی تحریک کو صحیح خطوط پر اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے اُن دس رہنما اصولوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا، جو انہوں نے 'الصحوۃ الاسلامیۃ من المراھقۃ الی الرشد' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں، یہ اصول کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ ظاہری چیزوں کے بجائے اندرونی اور جوہری چیزوں پر دھیان دیں۔

۲۔ بحث ومباحثہ کے بجائے کام اور افادیت پر دھیان دیں۔

۳۔ جذباتی اور منتشر باتوں کے بجائے عقلی اور عملی باتوں پر دھیان دیں۔

۴۔ فرعی اور ذیلی چیزوں میں پڑنے کے بجائے اصولی اور کلیدی چیزوں پر دھیان دیں۔

۵۔مشکل پیدا کرنے اور تنفر کرنے کے بجائے آسانی پیدا کرنے اور خوشخبری دینے والے بنیں۔

۶۔جمود اور تقلید کے بجائے اجتہاد اور تجدید کا راستہ اختیار کریں۔

۷۔تعصب اور تنگ نظری کے بجائے رواداری اور کھلے پن کا مظاہرہ کریں۔

۸۔غلو اور انتہا پسندی کے بجائے وسطیت اور اعتدال کی راہ پر چلیں۔

۹۔شدت اور سختی کے بجائے رحمت اور شفقت اختیار کریں۔

۱۰۔اختلاف اور دوری کے بجائے اتفاق اور میل جول کے ساتھ رہیں۔

علامہ قرضاوی کو اس بات کا احساس تھا کہ اسلامی تحریک کی کامیابی میں خواتین کا بڑا رول ہے، چنانچہ انہوں نے 'دور المرأۃ المسلمۃ فی الصحوۃ الاسلامیۃ' تصنیف فرمائی۔ اسلامی معاشیات اور اس سے متعلق مسائل کو لے کر علامہ قرضاوی نے جو کچھ لکھا وہ ان کا منفرد کارنامہ ہے، انہوں نے اس ضمن میں متعدد اہم کتابیں تصنیف فرمائیں:

۱۔ **فقه الزكوة** (اس کتاب میں زکوۃ سے متعلق تفصیلی گفتگو ہے۔)

۲۔**مشكلة الفقر وكيف عالجها الاسلام** (اس کتاب میں غربت کے مسئلہ سے متعلق اسلامی رہنمائی پر تفصیلی بحث ہے۔)

۳۔**بيع المرابحه للامر بالشراء** (اس کتاب میں اسلامی تجارت ومعیشت سے متعلق رہنما بحثیں ہیں۔)

۴۔ **فوائد البنوك هي الربا الحرام** (اس کتاب میں بینک سے ملنے والی سود کی رقم سے متعلق اسلامی رہنمائی کو پیش کیا گیا ہے۔)

۵۔**دور القيم والاخلاق في الاقتصاد الاسلامي** (اس کتاب میں اسلامی نظام معیشت میں اخلاق واقدار کے کردار اور اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔)

۶۔ **دور الزكاة في علاج المشكلات الاقتصادية** (اس کتاب میں معاشی مسائل کے حل کے سلسلہ میں اسلام کے نظام زکوۃ کے رول پر گفتگو کی گئی ہے۔)

۷۔ **لكي تنجح موسسة الزكوة في التطبيق المعاصر** (اس کتاب میں زکوۃ سے متعلق جدید مباحث پر گفتگو ہے۔)

۸۔ **القواعد الحاکمة لفقه المعاملات** (اس کتاب میں معاملات کے اسلامی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔)

۹۔ **مقاصد الشریعه المتعلقة بالمال** (اس کتاب میں مالی معاملات سے متعلق مقاصد شریعت پر بحث کی گئی ہے۔)

سیاسی مسائل کے سلسلہ میں بھی علامہ قرضاوی علمی اور عملی ہر دو پہلو سے ایک ماہر سیاست داں کے طور پر نظر آتے ہیں۔ آپ کی کتاب '**الدین والسیاسة**' (دین اور سیاست) میں دین اور سیاست کے درمیان رشتے پر گفتگو کی گئی ہے، معاصر سیاسی مسائل پر آپ کی کئی نمایاں کتابیں ہیں:

۱۔ **قضایا معاصرة علی بساط البحث** (اس میں مختلف جدید سیاسی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔)

۲۔ **لقاء ات و حوارات حول قضایا الاسلام و العصر** (اس کتاب میں علامہ قرضاوی کی افکار کو جدید دنیا کے مسائل کے حوالے سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔)

۳۔ **۲۵ ینایر... ثورة شعب** (اس کتاب میں عرب بہاریہ پر بہت اچھی گفتگو کی گئی ہے۔)

ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی علامہ قرضاوی ہمیشہ معاصر دنیا کے مسائل کے سلسلہ میں کھل کر گفتگو کرتے ہیں، مثال کے طور پر ظلم، فساد اور استبداد کے خلاف عوامی جدوجہد اور قضیہ فلسطین کے تعلق سے علامہ قرضاوی نے ہمیشہ تحریری اور تقریری طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اپنی تائید ان کے حق میں پیش کی ہے۔ تیونس، مصر، لیبیا اور شام کے عوامی انقلاب کے موقع پر بھی آپ نے کھل کر عوامی جدوجہد کے حق میں اظہار خیال کیا تھا۔

ادب اور شاعری کے حوالہ سے بھی علامہ قرضاوی اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں، مثال کے طور پر:

۱۔ **نفحات و لفحات** (آپ کا معروف شعری مجموعہ ہے۔)

۲۔ **المسلمون قادمون** (مسلم امت میں جوش و جذبہ پیش کرنے والا شعری مجموعہ ہے۔)

۳۔ **یوسف الصدیق** (یہ آپ کا ایک منظوم ڈرامہ ہے۔)

۴۔ **عالم و طاغیة** (یہ آپ کا تاریخی ڈرامہ ہے۔)

جب ہم علامہ قرضاوی کی تصنیفات کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ذہین، کس قدر وسیع الفکر، کس قدر ہمہ گیریت کے حامل اور جدید دنیا کی شرعی رہنمائی کے سلسلہ میں وہ کس قدر عظیم کردار

کے حامل ہیں، وہ زندگی کے مسائل، اسلامی تحریک کی رہنمائی، اور دینی کام کی صحیح خطوط پر انجام دہی کے سلسلہ میں کس قدر گہری بصیرت رکھتے ہیں۔

علامہ قرضاوی ان عظیم اہل علم ودانش میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انسانیت کو علم ومعرفت کی وسعتوں اور بڑے اعلی قسم کے تجربات سے روشناس کرایا۔ وہ ایک فکری شخصیت بھی ہیں اور ایک تحریکی شخصیت بھی۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں بہت ہی غیر معمولی مہارت کے ساتھ فقہ، دعوت، اسلامی تحریک، اسلامی معیشت، سیاست اور جدید دنیا کے مسائل، شعروادب، تہذیب وثقافت اور فکر اسلامی پر ہر پہلو سے گفتگو کی ہے، تاکہ وہ ان کی حقیقی اور جامع تصویر پیش کر سکیں، اور جدید فکری اور عملی مسائل اور چیلنجز کے حوالے سے تفصیلی طور پر وضاحت اور شرعی رہنمائی سامنے آسکے۔

ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ یوسف القرضاوی علم کے ایک وسیع سمندر، اور فقہ اور اصول فقہ کے ایک گہرے عالم، موجودہ دنیا کے ایک نمایاں ترین عالم دین، اعتدال اور وسطیت کے حوالے سے ایک نمایاں شخصیت، اور فکر اسلامی کے ایک عظیم راہی اور تحریک اسلامی اور معاصر اسلامی دنیا کے ایک اہم رہنما تھے، وہ ایک زبردست مجاہد صفت امام تھے۔

محترم ابا جان! (جناب منشی محمد انورؒ)

کچھ یادیں، کچھ باتیں

ڈاکٹر تمنا مبین اعظمی

وہ ۲۵ رستمبر ۲۰۲۲ کی رات تھی، تقریباً سوا دس بج رہے تھے، جب یہ روح فرسا خبر بجلی بن کر گری کہ ابّا اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ سنتے ہی دل دھک سے ہوگیا، ایسا محسوس ہوا مانو پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ ایسا نہیں ہے کہ موت پر یقین نہیں۔ یہ تو کائنات کی حقیقت ہے کہ موت ہر زندگی کا لازمہ ہے ''کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام''، لیکن ابّا کے جانے کی خبر نے دل کو پارہ پارہ کردیا۔ کچھ لوگ اتنے قیمتی ہوتے ہیں، جن کی زندگی روشنی کا منبع ہوتی ہے کہ ان کے جانے سے ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے جس کے بھرنے میں بڑا وقت لگتا ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئیں ہیں مرنے کے لیے

ابّا علاج کے سلسلے میں لکھنؤ میں ایڈمٹ تھے۔ اسپتال سے بار بار یہی خبر ملتی رہی کہ طبیعت میں کوئی افاقہ نہیں ہے؛ بلکہ حالت تشویشناک ہوتی جا رہی ہے، سارے اعضاء و جوارح ساتھ چھوڑ رہے ہیں؛ لیکن ان اطلاعات کے باوجود یقین کامل تھا کہ ابّا ٹھیک ہو جائیں گے کیونکہ اس سے پہلے بارہا سخت بیماری کے بعد آپ روبہ صحت ہوئے؛ لیکن اس بار موت نے زندگی پر فتح پالی اور ابا اس عالم فانی سے عالم جاودانی کوچ کر گئے۔

ابّا کا شمار ان عظیم لوگوں میں سے ہوتا ہے جو اپنے اخلاق اور بلند کردار کی گہری چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ جن کی ذات دوسروں کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے اور جن کے نقوش قدم آنے والی نسلوں

کے لئے سنگ میل بن جاتے ہیں۔

ان یعنی جناب منشی محمد انور صاحب، یوں تو رشتے میں میرے تایا ہیں لیکن جس شفقت و محبت اور ذمہ داری سے وہ پورے خاندان کی سر پرستی کرتے تھے وہ ہمارے خاندان کے لیے والد کا درجہ رکھتے تھے اور شاید یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر سارے بھائی بہنوں کے بچے، نواسے نواسیاں اور پوتے پوتیاں انھیں ابا پکارا کرتے تھے۔

میں اپنی اس مختصر سی زندگی میں بہت ہی کم کسی سے متاثر ہوئی۔ لیکن جن شخصیات کی چھاپ میں خود پر محسوس کرتی ہوں انھیں میں سے ایک ابا بھی ہیں۔ جب سے ہوش سنبھالا ابا کو ساٹھ کی دہائی میں پایا۔ اس عمر میں بھی ان کی شخصیت نہایت ہی متاثر کن تھی۔ درمیانہ قد، نورانی چہرہ، کشادہ جبیں، چشمے کے پیچھے سے جھانکتی روشن اور ذہین آنکھیں، دھیمی، منکسرانہ لیکن پراعتماد چال، سراپا وقار، مجسم متانت، صاف ستھری شیروانی میں ملبوس آپ جس سے ملتے وہ متاثر ہوئے بنا نہیں رہتا۔ نرم لہجے لیکن نہایت ہی اعتماد سے، نپے تلے لہجے میں اپنی باتیں کہنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مخاطب کو اپنی بات کہنے کا موقع دیتے اور نہایت دھیان سے سنتے۔ بلریا گنج اور اس کے اطراف میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ابّا کو نہ جانتا ہو یا ان کے اخلاق و کردار، عدل و انصاف، اوصاف کریمہ، نیک صفات، اعلیٰ ظرفی، نرم خوئی اور بہترین انتظامی صلاحیت کا معترف نہ ہو۔ امیر و غریب، ہندو مسلم سب آپ کی عزت کرتے۔ جہاں آپ کھڑے ہو جاتے لوگ جھگڑے بند کر دیتے اور آپ کی بات کا مان رکھتے۔

ابّا اگر چہ کوئی علمی شخصیت نہیں تھے۔ وہ نا تو ڈگری یافتہ عالم تھے، نہ ہی مصنف لیکن ان کے اندر پڑھنے لکھنے خاص طور پر دین کو سیکھنے کا زبردست داعیہ تھا۔ آپ باعمل عالم تھے۔ دین کو خود ذاتی مطالعے سے سیکھا اور ہمیشہ سیکھنے کی جستجو میں لگے رہتے۔ جس قدر جانا اس پر سختی سے عمل پیرا رہے۔

ان کی زندگی ایک بامقصد اور بااصول زندگی تھی۔ مقصد سے یکسوئی اور اس پر ارتکاز تھا۔ ان کی زندگی جہد مسلسل اور حرکت و عمل کا تابندہ استعارہ تھی۔ ہمیشہ تر و تازہ اور ہشاش بشاش نظر آتے۔ سستی اور کسل مندی سے کوسوں دور تھے۔ ذہانت و ذکاوت کی دولت سے مالا مال تھے۔ ساتھ ہی اصولوں سے وفاداری اور سخت جفاکش تھے۔ ان کی سادگی، ایثار و قربانی، جفاکشی، اخلاص وللٰہیت ہمارے لیے نمونہ ہے۔ ان سے مل کر قرن اول کے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی یاد تازہ ہو جاتی۔ اعتدال پسندی، کشادہ ذہنی اور نرم مزاجی ان کا خاصہ

تھی۔عجلت پسندی اور جلد بازی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ہر وقت روک ٹوک سے احتراز کرتے تھے۔بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔یہ صلاحیت جامعۃ الفلاح کی نظامت کے دوران کھل کر سامنے آئی۔ عمارتوں کی تعمیر سے کافی دلچسپی تھی۔لوگ اس سلسلے میں ان کے پاس مشورے کے لئے آتے اور مستفید ہوتے۔خود جامعۃ الفلاح کی کئی عمارتیں، گلشنِ اطفال کی عمارت اور متعدد مکانات ان کی زیرنگرانی تعمیر ہوئے۔خود ہی نقشہ بناتے اور مزدوروں کو سخت ہدایت ہوتی کہ گھر کی خوبصورتی اور مضبوطی میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔ذراسی کوتاہی پر بنی بنائی دیواریں منہدم کروادیتے۔

ابا جب بھی کوئی ذمہ داری لیتے تو اپنی تمام تر توانائی اور طاقت اس میں صرف کردیتے۔نہایت ہی ایمانداری اور ذمہ داری سے اپنے فرائض کی بجا آوری کرتے۔نوجوانی سے ہی ابا جماعت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جماعت کے کام ان کے لئے فرضِ اول کی حیثیت رکھتے تھے۔جامعۃ الفلاح کی نئی کونپل کو بھی اپنی محنت اور انتظامی صلاحیتوں سے اس وقت سینچا جب ان کو نائب ناظم بنایا گیا۔ ہمیشہ شوری کے ممبر رہے۔ جامعہ کی فلاح کے لیے تادم حیات سرگرم رہے۔اسی طرح حکیم جی کے ساتھ جڑنے کے بعد آخری دم تک مطب کی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔گھریلو ذمہ داریوں کو دیکھا جائے تو ابھی سارے بھائی بہن چھوٹے ہی تھے کہ دادا (ابّا کے والد) اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ابّا نے اس ذمہ داری کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے نبھایا۔اپنے بھائی بہنوں سے حد درجہ پیار کیا، باپ کی طرح انہیں پالا، پڑھایا لکھایا، بہترین تربیت کی، حتی الامکان تمام ضرورتوں کا خیال رکھا، شادی بیاہ کیا، گھر بنوایا، اچھے برے میں ہمیشہ شریک رہے اور اپنے بہترین تجاویز و مشوروں سے انہیں نوازتے رہے۔دو دامادوں اور جواں سال بیٹے کے جانکاہ حادثے کے بعد جب بہو، بیٹیوں اور ان کے بچوں کی ذمہ داریاں پڑیں تو دل و جان سے نبھایا۔ ہمیشہ ان لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے متفکر رہے۔ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی، نہ صرف انہیں حوادث زمانہ اور مشکلات سے محفوظ رکھا بلکہ دلجوئی میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔

ابّا بے انتہا قوت برداشت کے مالک تھے۔آپ عزم و ہمت اور صبر و استقلال کی مثال تھے۔ بہت سے حادثات سے دوچار ہوئے۔ کئی جانکاہ صدمے دیکھے مثلا بہت کم عمری میں امی دنیا سے رخصت ہو گئیں، تھوڑا بڑے ہوئے تو ابا بھی نہیں رہے۔ پیرانہ سالی میں جوان بیٹے اور دو داماد کی موت کا صدمہ سہنا پڑا لیکن ابّا کے پائے استقلال میں جنبش نہیں ہوئی۔صبر و برداشت ٹوٹنے نہیں پائے۔اپنے آنسوؤں کو پی کر وہ دوسروں کے

آنسو پوچھتے رہے۔ ہر حال میں راضی بہ رضا تھے۔ اطمینان قلب کی عظیم دولت سے مالا مال تھے۔ یہ دولت اللہ پر بے انتہا یقین سے انہیں حاصل تھی۔

ابّا کے اندر فطری طور پر غصہ بہت زیادہ تھا۔لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس پر انہیں زبردست کنٹرول تھا۔سخت غصے کی حالت میں بھی پتا نہیں چلتا کہ ابّا ناراض ہیں اور نہ نازیبا کلمات استعمال کرتے۔جس سے ناراض ہوتے صرف اس کو اور اماں یعنی زوجہ محترمہ کو معلوم ہوتا کہ ابّا ناراض ہیں۔ ابّا کی ناراضگی کبھی ذاتی نہیں ہوتی۔نہ ہی کھانے پینے یا کسی چیز کی کمی بیشی یا کسی بڑے سے بڑے سامان کے خراب ہونے پر ناراض ہوتے۔ہاں تب بہت ناراض ہوتے جب دین کے معاملے میں من مرضی کی جاتی مثلاً دیر سے سوکر اٹھنا، رات میں دیر سے سونا، نماز میں کوتاہی، تعلقات میں کمی بیشی، حقوق میں کوتاہی، محرم غیر محرم کا خیال نہ کرنا اور پردہ کے اصولوں کا دھیان نہ رکھنا، یہ اور اس قسم کی تمام غلطیاں انہیں بہت تکلیف دیتیں اور ناراضگی کا سبب بنتیں۔

ابّا کو ہم نے ہمیشہ تہجد گزار پایا۔ بارہا تہجد کے وقت سسکیوں میں ڈھلی، آنسوؤں سے تر ان کی خوش الحان اور روح پرور تلاوت دل کے تاروں کو چھیڑ دیتیں۔قرآن سے ابا کو بے انتہا شغف تھا جو رمضان المبارک میں نہایت بڑھ جاتا۔ ابھی کرونا کے وقت میں جب لاک ڈاون لگا تھا اس وقت ابّا علاج کے سلسلے میں دہلی آئے ہوئے تھے اور لاک ڈاون کی وجہ سے رکنا پڑا۔ جب رمضان آیا تو گھنٹوں مستقل تفہیم القرآن لے کر پڑھتے اور اس قدر انہماک سے پڑھتے، جیسے پہلی بار پڑھ رہے ہوں حالانکہ میں دعوی سے کہہ سکتی ہوں کہ انہیں تفہیم القرآن کا زیادہ تر حصہ ازبر ہوگا کیونکہ مستقل بلا ناغہ اسے پڑھتے اور غور وخوض کیا کرتے تھے۔قرآن پر غور و خوض کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اس کے یاد کرنے اور جو کچھ یاد تھا اس کو یاد رکھنے پر بھی پوری توجہ دیتے تھے۔ رمضان میں یاد کرنے کا معمول اور بڑھ جاتا تھا۔ نہایت ہی خشوع خضوع اور انہماک سے نماز پڑھتے۔ بچے وہیں کھیلتے، خوب ہنگامہ کرتے پر ایسا معلوم ہوتا گویا انہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا۔

ابّا مطالعہ کے بھی نہایت شوقین تھے۔ میں نے کبھی بھی ابّا کو وقت ضائع کرتے ہوئے نہیں پایا۔ بہت مصروف رہتے تھے اور ذرا سی بھی فرصت ملتی تو قرآن وحدیث یا تحریکی لٹریچر کا مطالعہ کیا کرتے۔ حالات حاضرہ پر بھی ان کی خوب نظر تھی۔ انقلاب اور دعوت اخبارات کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے۔ جب میں نے اپنی کتاب ابّا کو ہدیہ کیا تو بہت ہی خوش ہوئے۔ فون پر شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ڈھیر ساری دعائیں بھی دیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ابّا خود بھی اس کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور گھر کی عورتوں کو بھی پڑھ کر سناتے۔ یہ

کتاب ان کے سرہانے مستقل موجود رہتی۔

ابّا کے اندر بہترین قیادت کی صلاحیت موجود تھی۔سب کو ساتھ لے کر چلنا ان کے اصولوں میں سے تھا۔آپسی رنجشوں اور کدورتوں کو ختم کرنا اور دلوں کو جوڑنا ان کو خوب آتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ سب کے دلوں پر راج کرتے رہے اور سبھی لوگ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ابا بہترین سرپرست تھے۔ہمارے نئے گھر شفٹ ہونے کے بعد ابا ہر جمعہ صبح سویرے آتے کیونکہ جمعہ کو ان کی چھٹی ہوتی تھی۔بڑے ابو، چچا اور ہمارا گھر ایک ہی پاس تھا۔یہ لوگ بیرون ملک مقیم تھے۔تینوں گھروں کی خیریت دریافت کرنا، گھر کی مرمت، ساتھ ہی لان کے پودوں کی کاٹ چھانٹ سب ابا نہایت ہی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے۔اپنے چچازاد بھائی بہنوں کے گھر جانا اور خیر خیریت دریافت کرتے رہنا بھی ان کے معمولات میں شامل تھا۔

ابّا بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے۔بچپن کی خوبصورت یادوں میں سے ایک یاد بچوں کا ہفتہ واری اجتماع ہے جس میں ابّا خود اپنی تمام مصروفیات کو پس پشت رکھ کر بنفس نفیس شریک ہو کر بچوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ ذہن سازی بھی کرتے ۔ بچے نہایت شوق سے اپنی عمر اور استعداد کے مطابق تیاری کر کے اپنی قابلیت کا مظاہرہ کرتے۔بچوں کے ساتھ نہایت مشفق تھے۔مطب سے آتے تو بہت تھکے ہوتے۔آرام کرنے کے لیے لیٹتے تو میرے دونوں بیٹے صفوان اور ہیثم ان کے بستر پر کھیلتے، ان کی پیٹھ سے لگ کر سوتے، ہم کتنا بھی ہٹانے کی کوشش کرتے وہ نہیں ہٹتے۔لیکن ابا کبھی نہیں ڈانتے، انہیں کے بیچ سو کر اپنی نیند پوری کر لیتے۔اسی طرح ہیثم کو موسمی بہت پسند تھی۔ابا جب بھی کھاتے ہیثم کو ضرور بلاتے۔جتنی خود کھاتے اتنی ہی اسے بھی دیتے۔ بچے اگر ان کے آس پاس ہوتے تو مسلسل نظر رکھتے اور ہمیں بھی اس کی تاکید کرتے رہتے کہ کوئی ایک بچوں کے ساتھ ساتھ رہے، وہ معصوم ہیں خود کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔اسی طرح گھر کے افراد کی اصلاح کے لیے اجتماعات کرتے جس میں خود قرآن وحدیث پڑھ کر اس کی وضاحت کرتے اور موجودہ حالات سے جوڑنے کی کوشش کرتے۔عموماً ان موضوعات کا انتخاب کرتے جو انسانی فطرت اور خاندان کی اصلاح کے لیے ضروری ہیں۔رمضان کی آمد سے پہلے استقبال رمضان پر گھر کی عورتوں اور بچوں سے خطاب کرتے اور رمضان کے فضائل وبرکات اور کیسے اس مہینے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے اس پر بات کرتے۔

ابّا کی تربیت کا طریقہ بھی نہایت ہی مشفقانہ ومصلحانہ ہوتا۔بار بار ٹوکنے، چیخنے چلانے اور ڈانٹنے سے

سخت احتراز کرتے۔ بچوں کی عزت نفس کا خاص خیال رکھتے۔ غلطی ہونے کی صورت میں اپنے کمرے میں بلا کر نہایت ہی نرم آواز میں سمجھاتے۔ چند جملوں میں اپنی بات مکمل کرنے کا ہنر آپ کو آتا تھا۔ لمبا چوڑا لیکچر نہیں دیتے تھے، نہ ہی برا بھلا کہتے لیکن نصیحت کا انداز اتنا متاثر کن ہوتا کہ ان کی باتیں نقش ہو جاتیں۔ برجستہ و برمحل تذکیر و نصیحت نہایت ہی نرم لیکن ٹھوس لہجے میں کرتے۔ جس سے مخاطب کو برا بھی نہیں لگتا اور نصیحت ہمیشہ کے لئے ذہن میں مقید ہو جاتی۔

ابّا کا زیادہ وقت گھر سے باہر مطب پر، جماعت کے کاموں میں اور دوسری مصروفیات میں گزرتا تھا۔ گھر پر بھی ہوتے تو مطالعہ اور دوسرے کاموں میں مصروف ہوتے لیکن اس کے باوجود گھر کے تمام افراد پر نظر رکھتے ۔کوئی دکھائی نہیں دیتا تو پوچھتے کہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی۔ مجھے یاد ہے ابا کے گھر میں رہتے ہوئے میری صحت تھوڑا متاثر ہوئی تو ابا نے بلا کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہے نہ؟ اپنا گھر ہے آرام سے رہیں اور اماں سے خاص طور پر دھیان رکھنے کے لیے کہا۔ اس سے ابا کی یہ صفت بھی سامنے آئی کہ وہ گھر میں موجود سبھی لوگوں پر نظر رکھتے تھے خاص طور پر نئے آنے والے فرد پر۔ حالانکہ کبھی محسوس بھی نہیں ہوتا تھا کہ ابا دیکھ رہے ہیں۔

ابّا پردے کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ انہیں بالکل پسند نہیں تھا کہ غیر محرموں چاہے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں کے ساتھ بیٹھا جائے یا ہنسی مذاق کیا جائے۔ بارہا ایسا ہوتا کہ ابا کو دیکھ کر احتراماً ہم سر ڈھک لیتے اور ان بچوں کے سامنے (نند، جیٹھ کے بچے، کزن وغیرہ) کے سامنے سر کھل جاتا تو خیال نہیں کرتے۔ اس معاملے میں وہ اکثر کہا کرتے کہ رسمی پردہ نہیں شرعی پردہ کیا کیجئے۔ اس سختی کے باوجود ابا پردے کی حقیقی روح سے واقف تھے۔ دو سال پہلے جب میں ابا کے گھر تھی۔ میرے بچے چھوٹے تھے۔ چھوٹی بیٹی چند مہینوں کی تھی۔ میں گھر کے نیچے والے حصے میں رہتی تھی۔ ان دنوں ابا کے گھر کی مرمت ہو رہی تھی۔ چونکہ بار بار اوپر جانا آنا ہوتا تو مجھے کافی پریشانی ہوتی۔ ابا میری پریشانی کو بھانپ گئے۔ ایک روز کمرے میں آئے اور کہا کہ تمہیں جب اوپر جانا ہو تو ڈوپٹہ ڈال کر چلی جایا کرو۔ مزدور ہیں تو بھی کوئی بات نہیں وہ اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں۔ جب بھی گھر کی کسی عورت کو کہیں جانا ہوتا تو ابا کا پہلا سوال یہی ہوتا کہ کس کے ساتھ جا رہی ہو۔ اگر محرم ہے تب تو ٹھیک ہے ورنہ تو اجازت ملنے کا سوال ہی نہیں۔ اگر جانا بہت ہی ضروری ہوتا تو کسی ذمہ دار عورت کو جو ساتھ میں جانے والے لڑکے کی محرم ہوتی ساتھ میں لگایا جاتا۔

ابّا نے ہمیشہ سب کا بھلا چاہا۔ کبھی کسی کو اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہیں دی۔ جانتے بوجھتے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ ہمیشہ نرمی اور مصالحت سے کام لیتے۔ کبھی کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرتے۔ معاملات میں نہایت ہی سچے اور کھرے تھے۔ نہایت ہی باریکی سے حساب کتاب کرتے اور ہر چیز کو لکھ کر رکھتے۔ ابا نے اپنے خاندان کے استحکام کے لئے انتھک محنت کی، سخت جدو جہد کی اور بے انتہا قربانیاں دیں لیکن کبھی کوئی احسان نہیں جتایا۔ بدلے میں کسی سے کوئی توقع نہیں رکھی۔ یہ شان کم ہی لوگوں میں نظر آتی ہے۔

اپنی ذات کے لیے ابا کسی کو پریشان نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کی بیشی پر ڈانتے یا ناراض ہوتے۔ ابّا کو ہمیشہ تہجد کے وقت چائے پینے کی عادت تھی۔ ایک صبح میری آنکھ نہیں کھلی اور ابا چائے کا انتظار کرتے ہوئے سو گئے۔ امی کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئیں اور ابا سے میری کوتاہی کا ذکر کیا۔ ابّا نے نہایت ہی نرمی اور متانت سے کہا کوئی بات نہیں اس کے بچے چھوٹے ہیں۔ رات بھر جگاتے ہیں، آنکھ لگ گئی ہوگی۔ بعد میں مجھے بلا کر نہایت دلسوزی سے نماز نہ چھوڑنے کی تلقین کی۔

لوگوں کو لگتا ہے کہ ابّا بیمار رہتے تھے، بوڑھے ہو گئے تھے، کمزور ہو گئے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ابّا کی ہمت جوان تھی۔ جس کام کو کرنے کی ٹھان لیتے کر کے ہی دم لیتے۔ دو سال پہلے جب ابا کے گھر کی مرمت ہو رہی تھی مزدوروں کے ساتھ اس قدر مصروف رہتے کہ نوجوان شرمندہ ہو جائیں۔ ان کی ہمت پر حیرت ہوتی تھی۔ گھر والے پریشان ہو جاتے کہ ابا کیوں نہیں تھوڑی دیر آرام کر لیتے لیکن جب تک کام تکمیل کو نہیں پہنچ جاتا سکون سے نہیں بیٹھتے۔ تادم حیات مطب کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے۔ کتنی بھی طبیعت خراب ہوتی مطب اور مسجد جانا نہیں چھوڑتے۔ ابھی کچھ سالوں پہلے ہی ابا کو دل کا عارضہ لاحق ہوا تھا کہ بالکل اچانک سیکنڈ کے لئے دل کی دھڑکن رک جاتی اور ابّا جہاں بھی ہوتے بے ہوش ہو جاتے۔ اس وجہ سے بارہا گر پڑے، سخت چوٹ آئی لیکن ابّا نے کبھی اپنی ذمہ داریاں نہیں چھوڑی۔ جب pace maker لگا تو کچھ راحت ہوئی۔ بستر پے رہنا تو پسند ہی نہیں تھا۔ ذرا سا افاقہ ہوتا اٹھ کھڑے ہوتے۔ اگر ابّا کبھی نماز کے لیے نہیں گئے یا مطب نہیں گئے تو سب سمجھ جاتے کہ طبیعت بہت ہی زیادہ خراب ہے۔ آخری دم تک پورے خاندان کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ سبھی کے لیے فکرمند رہتے۔ ابا کے رہنے سے سکون تھا، اطمینان تھا۔ کوئی بھی بڑا سے بڑا مسئلہ ہوتا تو ایسا لگتا ابا ہیں نا سنبھال لیں گے۔ ہر مشکل میں ان وجود سے راحت تھی۔ ان کی ذات ہمارے لیے برکت تھی۔ سبھی کو اس دار فانی سے جانا ہے لیکن ابا کا جانا دل کو تڑپا گیا۔ دنیا کی مصروفیات میں بھولے رہتے ہیں لیکن جیسے

ہی یاد آتا ہے کہ اب ابا نہیں ہیں تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔

اللہ رب العزت سے ہر پل یہ دعا ہے کہ وہ ابا کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، کوتاہیوں سے صرف نظر کرے، قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، ہمیں اور بلریا گنج کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی ترا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

میرے بڑے ابو! (محمد منشی انور صاحبؒ)

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

صفیہ لیال فلاحی

۲۶ رستمبر کو جب صبح سو کر اٹھی، موبائل فون پر مسلسل کالز دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کچھ تو گڑ بڑ ہے۔ یہ ایک قیامت خیز خبر تھی جس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ایسا کیسے ہو گیا؟ میں اتنے آرام سے کیسے سوئی رہ گئی تھی۔ میں لرز گئی۔ اس خبر سے چند لمحے ساکت و جامد بیٹھی رہی، دماغ ماؤف ہو گیا۔ میں رات اتنی جلدی کیسے سو گئی مجھے اتنی جلدی نیند کیسے آ گئی۔ مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی اور میں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کے ساتھ کوئی سانحہ ہونے والا ہوتا ہے تو آپ کی چھٹی حس آپ کو آگاہ کر دیتی ہے، میری چھٹی حس ہی بے حس ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے ذہن میں ایسا کوئی خیال ہی نہیں آیا کہ میرے عزیز از جان بڑے ابّو اس دارِ فانی سے کوچ کر جائیں گے اور میں اس وقت اپنے خاندان میں موجود نہیں رہوں گی۔ ان کے آخری دیدار کی بازیابی کا شرف حاصل نہیں کر سکوں گی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کاش کوئی اللہ کا بندہ مجھے میرے گھر پہنچا دے۔ بہت سے لوگوں کو فون کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ پورے دن ہوسٹل کے ایک کمرے میں بند بس اپنے بستر پر لیٹی ادھر اُدھر کروٹ بدلتی، کبھی بے چینی کے عالم میں اُٹھ کر ٹہلنے لگتی، پھر تھک ہار کر بیٹھ جاتی، غرض یہ کہ کسی طریقے سے مجھے سکون نہیں مل پا رہا تھا۔ مجھے افسوس اس بات کا بھی ہو رہا تھا بلکہ بہت زیادہ ہو رہا تھا، پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ اس بار میں ان سے مل کر نہیں آئی تھی۔ کچھ ضروری کام درپیش ہونے کے سبب میں خاموشی سے علی گڑھ چلی آئی تھی۔ اب مجھے اپنے اس عمل پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو کوسنا شروع کیا کہ کاش میں مل کر آئی ہوتی تو میرے دل میں کسک نہ ہوتی۔

مغرب بعد روم کی لائٹ آف کی، روم کو اندر سے لاک کیا اور بستر پر نیم دراز ہوگئی جیسے ہی آنکھیں بند کیں؛ بڑے ابو کا پورا حلیہ میری نگاہوں میں گھوم گیا۔ پتلے دبلے سے کھڑے نین ونقش والے کرتا پاجامے میں ہمیشہ ملبوس، کبھی کبھی شیروانی میں چھپا وجود، اپنے اندر ایک جاذبیت اور ایک خاص رعب رکھتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کبھی آج تک میں نے ان کو اونچی آواز میں بات کرتے نہیں سنا۔ غصے کی حالت میں جب کہ اچھے سے اچھا انسان اپنا آپا کھو دیتا ہے وہ اس حالت میں بھی تحمل کا دامن تھامے رہتے اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔صوم وصلوٰۃ کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ تہجد گزار بھی تھے۔ ہمیشہ رات کے دو بجے اٹھ جاتے۔ عاجزی اور انکساری ان کی شخصیت کا حصہ تھی۔ ہر شخص کے ساتھ ادب و احترام کے ساتھ مخاطب ہوتے،کبھی کسی کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ہم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ محبت سے پیش آتے۔ مجھے کبھی بڑے ابو کے ساتھ بات کرتے ہوئے اس بات کا خوف نہیں ستاتا تھا کہ کہیں وہ کسی بات پر ناراض ہو کر ڈانٹ نہ دیں۔ جب ہم ان کے گھر حاضر ہوتے تو بڑی خندہ پیشانی سے مسکرا کر ملتے۔ہمیں اپنے پاس بٹھاتے تھے ہماری خیریت پوچھتے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ پچھلے ستمبر بڑے ابو سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئی تو مجھے اپنے پاس بٹھایا اس سے پہلے کہ میں ان کی خیریت پوچھتی وہ مجھ سے میری خیریت پوچھنے لگے۔ حالاں کہ وہ اس وقت بھی کافی علیل تھے۔ مجھ سے پوچھا کہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا؟ میں نے کہا ہاں الحمد اللہ ٹھیک رہتی ہے۔تو کہنے لگے کہ نہیں تم تو بہت کمزور لگ رہی ہو۔ پھر مجھ سے کہنے لگے ناشتہ کرلیا؟ میں نے کہا؛ جی۔ بڑے ہی پیار سے گفتگو کرتے، وہ کبھی ہمیں جج نہیں کرتے تھے؛ نہ کبھی ایسا سوال کرتے تھے کہ ہم شرمندگی کے احساس سے دوچار ہوں۔ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ اپنے گھر کے ساتھ ساتھ ہمارے گھروں کی بھی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ہمارے ابو اور دیگر سرپرست پردیس رہا کرتے تھے۔ ہمارے سارے امور بڑے ابو کے ذمے تھے۔ ہر جمعہ کو وہ ہمارے گھر تشریف لاتے اور پورے گھر کا بغور معائنہ کرتے جیسے ایک ڈاکٹر اپنے مریض کا کرتا ہے۔ کہیں پر اگر کوئی خرابی نظر آئی تو امی کو یا ہم میں سے کسی کو بلا کر ڈانٹا نہیں بلکہ اس خرابی کو خوبی میں تبدیل کرنے کی جدوجہد شروع کر دیتے۔ امی بھی اس زمانے میں بڑے سکون سے رہا کرتی تھیں۔ چھوٹے سے چھوٹا، یا بڑے سے بڑا کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو، جھٹ بڑے ابو کو کال ملا دی جاتی، وہ منٹوں میں یہ پریشانی حل کر دیتے۔

ہر شخص اپنے خاندان میں سے کسی کو اپنا آئیڈیل بناتا ہے۔ میرے آئیڈیل بچپن ہی سے میرے بڑے

ابو تھے۔بحثیت باپ، بحثیت شوہر، بحثیت بھائی اور سب سے بڑھ کر بحثیت انسان، ان کا ہر روپ سہانا تھا۔میرے خیال میں پورے خاندان میں یہ ایک منفرد شخصیت تھی۔ بہت دیکھا لیکن تجھ سا نہیں دیکھا۔

جب ہمارے خاندان کی ڈور صرف بڑے ابو کے ہاتھ میں تھی تو خاندان ہنسی خوشی اور اطمینان بخش طریقے سے نئی منزلیں طے کر رہا تھا لیکن جب سے یہ ڈور مختلف ہاتھوں کے سپرد ہوئی، خاندان دھیرے دھیرے منتشر ہونے لگا، اب تو وہ ہستی ہی نہیں رہی جو اس خاندان کو بکھرنے سے بچا سکے۔اللہ ہم سب پر رحم کرے آمین۔

بڑے ابو کی عیدی ہمیشہ سے ہر شخص کے لیے چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا پچاس روپے طے تھی۔خاندان کے ہر فرد کو وہ عیدی دیتے تھے، حتی کہ ہماری امی اور ہمیں ان کی عیدی کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں رہتا تھا۔ میں امی سے کہتی: امی بڑے ابو نے ابھی تک عیدی نہیں بھجوائی! جب میں چھوٹی تھی تو وہ خود گھر آ کر ہمیں اپنے ہاتھ سے عیدی دیتے یا کبھی ہم ان کے گھر چلے جاتے تو دے دیتے لیکن کچھ دنوں سے ضعف کی وجہ سے عید کے دن آ نہیں پاتے تھے تو کسی نہ کسی کے ہاتھوں ضرور بھجوا دیا کرتے۔شاید ان ہی کی کاوشوں کی بدولت ہم ایک بہتر خاندان میں تبدیل ہو سکے۔لوگ بڑے ابّو کی وجہ سے ہماری بھی عزت کرتے تھے۔جب ہم کہیں جاتے اور لوگ پوچھتے کس کے گھر کی ہو ہم کہتے: ''منشی جی کے''، تو پوچھنے والے شخص کی نگاہوں میں ہمیں بڑا احترام نظر آتا۔

بڑے ابو بہت صابر و شاکر اور آزمائش میں کھرے اترنے والے انسان تھے۔میں نے کبھی ان کی زبان سے شکوہ نہیں سنا۔نہ رب کا اور نہ رب کے بندوں کا اور نہ ہی حالات کا، بلکہ ہمیشہ خوش اور مطمئن نظر آتے۔ حالانکہ بڑے ابو نے کئی برس پہلے اپنے جوان بیٹے کو جہاز کریش میں کھو دیا تھا اور اس کے بعد پے در پے دو بیٹیوں کے بیوہ ہونے کے باوجود ان کی زبان پر ہمیشہ شکر کے الفاظ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مجھے یاد ہے جب میرا ایم۔اے میں نیا نیا ایڈمیشن ہوا تھا اور مجھے پہلی بار یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ جب میں یونیورسٹی آنے لگی تو بڑے ابّو سے ملنے ان کے گھر گئی۔ بڑے ابّو کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ میں نے ایم۔اے کا انٹرینس کوالیفائی کرلیا ہے اور میں علی گڑھ جا رہی ہوں۔ وہ بہت خوش ہوئے۔میری خوب حوصلہ افزائی کی اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔جب میں رخصت ہونے لگی تو مجھے پانچ سو

کا نوٹ دینے لگے، میں تکلف کرنے لگی تو بولے ارے رکھو! جب بھی کوئی پہلی بار باہر پڑھنے جاتا ہے تو میں ہر کسی کو دیتا ہوں یہ تمہارا حق ہے۔ مجھے ان کا یہ جواب بہت پسند آیا، میں سوچنے لگی! بڑے ابو پر صرف اپنی فیملی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ پورے خاندان کی ذمہ داری ہے اور وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ذمہ داری احسن طریقے سے کیسے نبھائی جاسکتی ہے۔

جب میں علی گڑھ آئی تو امّی سے روز بات چیت ہوتی تھی ایک دن امی کہنے لگی کہ بڑے ابّو آئے تھے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ ''لیال کیسی ہے اس کے لیے بھی تم لوگ دعا کیا کرو کہ وہ بھی پڑھ لے''۔ بڑے ابّو کی دعاؤں میں تصنع نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ دل سے دعا دیتے تھے۔

مجھے ایک خوبصورت واقعہ بڑی شدت سے یاد آرہا ہے۔ ایک بار بڑے ابّو ان کے ساتھ ان کے ایک داماد (جو کہ رشتے میں ان کے کزن بھی لگتے تھے) اور بڑے ابو کے ایک چھوٹے بھائی (ہمارے چچا) کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے۔ مغرب کا وقت تھا۔ ہم لوگ بھی وہیں موجود تھے۔ کھانا کھانے کے دوران ان کے کھانے میں ایک بال نکل آیا۔ بڑے ابّو نے بڑی مہارت سے ان دونوں حضرات سے چھپالیا اور انھیں پتہ بھی نہیں چلنے دیا کہ ایسا کچھ ہوا ہے۔ ان کے جانے کے بعد اپنی نواسی کو بلایا اور اس سے بڑے دھیمے لہجے میں مخاطب ہوئے کہ دیکھ کر کھانا بنایا کرو۔ میرے کھانے میں ایک بال نکل آیا تھا لیکن میں نے ان دونوں سے چھپالیا اگر ان دونوں کی نظر پڑگئی ہوتی تو دونوں کھانا چھوڑ کر تم لوگوں کو ڈانٹنے بیٹھ جاتے۔

دیکھا! کتنی خوش اسلوبی سے بڑے ابّو نے پورے گھر والے کو لعن، طعن اور ملامت سے بچالیا دوسرا کوئی شخص ہوتا تو خود بھی ڈانٹتا اور ان دونوں لوگوں سے بھی ڈانٹ کھلواتا۔

اس واقعہ کے بعد مجھے اماں (بڑی امی) کی قسمت پر بڑا رشک آیا۔ عورت کی اصلی زندگی اس کے شوہر سے وابستہ ہوتی ہے اور اماں (بڑی امی) کی زندگی جس شخص سے وابستہ تھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ہمیشہ بڑے ابّو، اماں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، اماں اپنے تخت پر بیٹھی ہوتی تھیں اور وہ کرسی لگا کر قریب بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ جب کبھی لائٹ نہیں ہوتی تھی تو اماں اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلتی۔ بڑے ابّو کے مطب سے آنے کے بعد اماں سب کو ایک پیر پر کھڑا کر دیتی تھیں۔ تخت سے بیٹھی بیٹھی آواز لگاتی رہتی تھیں کہ یہ لے آؤ وہ لے آؤ۔ ابھی تک کھانا تیار نہیں ہوا۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ خود اُٹھ کر بڑے ابّو کا سب کام کرنے لگے، وہ پیروں کی تکلیف کی وجہ سے اٹھنے سے قاصر تھیں۔

بڑے ابّو نہ صرف گھر والوں کے لیے بلکہ پورے سماج اور معاشرے کے لیے ایک بہترین انسان تھے۔ دیارِ اعظم گڑھ کی معزز شخصیتوں میں بڑے ابّو کا بھی شمار صف اوّل میں ہوتا تھا ان کی کہی ہوئی ہر بات کو لوگ قول فیصل سمجھتے اور قبول کرتے تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے ابّو اور تینوں چچا بڑے ابّو کی دوسری والدہ سے تھے۔لیکن انھوں نے کبھی بھی اس بات کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہونے دیا۔ یہ بات بھی ایک طویل عرصے بعد جب ہمارے سامنے آئی تو ہم حیرت زدہ رہ گئے۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جس نے اپنے باپ کی دوسری بیوی کی اولاد کو اپنا سگا بھائی بہن سمجھا ہو اور دل سے تسلیم کیا ہو اور اس پر طرہ یہ کہ اس رشتے کو نبھایا بھی ہو۔ مجھے لگتا ہے بڑے ابّو کو خدا نے اوروں کے بالمقابل ایسی مٹی سے بنایا تھا جس میں احساس کا جذبہ پانی کی طرح مٹی میں جذب تھا اور وہ مٹی سوتیلے اور سگے کے فرق سے نا آشنا تھی۔ان کو تو بس بحیثیت انسان ہر شخص کو سنوارنے کی فکر تھی اور اس فکر میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

بڑے ابّو کے ہم سدا احسان مند رہیں گے، انہی کی بدولت ہم تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی مجھ پر یہ ایک بڑا احسان کر گئے کہ میرا قلم جو ہمیشہ، بیگ،ٹیبل،ڈسک کی زینت بنا رہا آج انھوں نے کاغذ پر چلنا سکھا دیا۔

آپ سے نہ مل کر آنے کی پھانس میرے دل میں ہمیشہ چبھی رہے گی اور آخری لمحات میں بھی شریک نہ ہونے کی کسک ہمیشہ باقی رہے گی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ اس وقت بھی بہت پُرسکون حالت میں ہوں گے پھر بھی مجھے اللہ سے مانگنا اچھا لگتا ہے اور میں یہ مانگتی ہوں کہ اے میرے اللہ پاک میرے بڑے ابّو کی تمام لغزشوں کو معاف فرما اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین!

قرآنی علوم کا ارتقاء عہدِ اسلامی کے ہندوستان میں

مصنف: ظفرالاسلام اصلاحی
ناشر: براؤن پبلی کیشنز، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ
سن اشاعت: ۲۰۲۲ء
صفحات: ۲۳۲
قیمت: ۲۵۰ روپے
مبصر: **محمد انس فلاحی مدنی** (رفیق ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ)

قرآن مجید سیکھنا اور سکھانا سب سے افضل ترین مشغلہ اور موجبِ اجر وثواب ہے۔ اس سے وابستگی کی ہر صورت مستحسن، مبارک اور خیر کا ذریعہ ہے۔ قرآن سے وابستگی اور خدمت کا مظہر جہاں ہمیں قرونِ اولی میں نظر آتا ہے، وہیں اس سے وابستگی، وارفتگی اور خدمتِ قرآن کے سنہرے واقعات عہد اسلامی کے ہندوستان سے متعلق مولفہ کتب اور مستند تاریخی حوالوں میں بھی درج ہیں۔

عہد اسلامی کے ہندوستان کے بارے میں یہ غلط فہمی پائی اور پھیلائی جاتی ہے کہ یہ عہد رقص و سرور، طاؤس ورباب اور شراب وشباب کی بدمستی میں غرق تھا۔ اس عہد میں حکمراں اپنی بادشاہت کی بقاء اور توسیع کی فکر میں ہر حد سے گزرنا عام بات سمجھتے تھے۔ یہ خیال بھی عام ہے کہ اس عہد میں علم و حکمت اور درس وتدریس کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں۔

زیرِ نظر کتاب ''قرآنی علوم کا ارتقاء عہد اسلامی کے ہندوستان میں'' اس عہد کے بارے میں اس تاثر کی پُر زور نفی کرتی ہے کہ اس دور میں حکمرانوں کو تعلیم وتعلّم سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ فاضل مصنف پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی ایک طرف قرآنی خدمات کے حوالے سے معروف ہیں، وہیں ان کی دوسری وجہِ مقبولیت عہد اسلامی کے ہندوستان پر ان کی گراں قدر تصانیف وتحقیقات ہیں۔ آپ نے عہد اسلامی کے ہندوستان پر دس کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں عہد اسلامی کے ہندوستان کے

تاریخی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی اور حکومتی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں عہد اسلامی کے ہندوستان کی ایک دوسری تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس عہد میں عوام، علماء اور حکمراں کا قرآن سے بہت گہرا تعلق تھا۔ بالخصوص حکمراں طبقے نے علومِ قرآن کی ترویج واشاعت میں کس قدر دل چسپی لی، اس پر مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے۔

سات ابواب پر مشتمل یہ کتاب عہد اسلامی کے ہندوستان میں کتابتِ قرآن، کاتبین قرآن، علمِ تفسیر کا ارتقاء، علمائے قرآنیات، اساتذۂ تفسیر، عہدِ سلطنت میں مؤلفہ تفسیری کتب، عہد مغلیہ، عہد اکبری، عہد جہانگیری، عہد شاہجہانی، و عالمگیری اور ہندوستان کے مسلم حکمرانوں اور ان کے وزراء، امراء و متعلقین کی قرآن سے دل چسپی پر سیر حاصل بحث کرتی ہے۔

ابتدائی کلمات میں پروفیسر موصوف نے موضوع اور مشمولات کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ انھوں نے اس موضوع کی محرک کتاب ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات'' مصنفہ پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔

باب اول 'علم قراءت کا ارتقاء عہد اسلامی کے ہندوستان میں' اس میں علم قراءت پر تمہیدی گفتگو کے بعد اس فن کے فروغ اور اس کے اولین مصنفین پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد عہد سلطنت میں اس فن کے ارتقاء، فنِ قراءت کی تعلیم، ماہرینِ قراءت، علمِ قراءت کے فروغ میں تذکیری مجالس کا حصہ، صوفیاء ومشائخ کی تربیت گاہوں میں فنِ قراءت سے سلاطین وامراء کی دل چسپیوں کا مستند حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ عہد اکبری، عہد شاہجہانی، اور عہد عالمگیری کے ماہرین قراء اور اس فن پر مؤلفہ کتب بھی زیرِ بحث آئی ہیں۔

باب دوم 'کتابتِ قرآن عہد اسلامی کے ہندوستان میں' اس باب میں فن کتابت کے فروغ میں قرآن مجید کا کردار، فن خطاطی کی ترقی میں ہندوستان کے حکمرانوں کا حصہ اور حکمرانوں کی کتابتِ قرآن سے دل چسپی کے لطیف اور دل پذیر واقعات بھی نقل کیے ہیں۔ معروف خطاط اور ممتاز کاتبین کے نام واحوال بھی ذکر کیے ہیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کتابتِ قرآن کا عام انداز اختیار کرنے کے علاوہ اس فن میں خطاطی کے اعلیٰ نقوش کا بھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔

باب سوم 'علم تفسیر کا ارتقاء عہد سلطنت کے ہندوستان میں' اس باب میں اس خیال کی تردید ہے

کہ اس دور میں علم فقہ خصوصی توجہ کا مرکز رہا۔ فاضل مصنف نے تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ عہد سلطنت کی درسیات میں علمِ تفسیر کا نمایاں مقام تھا۔ تفسیر کی درسیات میں 'تفسیر مدارک'، 'بیضاوی' اور 'کشاف' خصوصیت کے ساتھ شامل تھیں۔ اس کے علاوہ دیگر تفاسیر میں تفسیر امام ناصری، تفسیر شیخ عثمان خیرآبادی، تفسیر مقاتل، تفسیر زاہدی اور تفسیر اعجاز' کا بھی ذکر ملتا ہے۔ بعد ازاں عہد سلطنت کے اولین دور کے علمائے قرآنیات، عہد علاؤالدین اور عہد تغلق کے اساتذہ تفسیر اور عہد سلطنت میں مؤلفہ تفسیری کتب پر بحث کی ہے۔ تفسیری کتب میں 'غرائب القرآن ورغائب القرآن، تفسیر سراج الھندی، لطائف التفسیر، کشف الکشاف، تفسیر تاتارخانی، تفسیر نوربخشیہ، بحرالمعانی، تفسیر القرآن الکریم، تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنّان، بحرموّاج، تفسیر نورالنبی صلی اللہ علیہ وسلم، تفسیر عبدالوھاب بخاری اور حاشیہ مدارک التنزیل کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ قرآنی علوم سے دل چسپی کے یہ مناظر بیان کرنے کے بعد مصنف خلاصہ بحث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عہد سلطنت میں علمِ قرآن سے دل چسپی اور اس کی اہمیت دوسرے علوم کی بہ نسبت کم نہ تھی۔

باب چہارم 'عہد مغلیہ (بابر تا اکبر) کے ہندوستان کی تفسیر خدمات' اس باب میں بابر، ہمایوں اور اکبر کے عہد کی تفسیری خدمات کا تذکرہ ہے۔ اس بحث میں شاہی دربار میں پیش ہونے والی کتبِ تفسیر، شاہی کتب خانہ میں تفاسیر کی موجودگی، اعلیٰ عہدہ داران کی علمِ قرآن اور دیگر علوم کی ترویج میں دل چسپی، عہد اکبری کے سولہ (۱۶) علمائے قرآنیات کے حالات اور ان کی تفسیری خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد عہد اکبری کی عربی تفاسیر: تفسیر محمدی (شیخ محمد بن عاشق چریاکوٹی)، تفسیری محمدی (شیخ حسن محمد بن احمد گجراتی)، منبع نفائس العیون، سواطع الالھام، درالتنظیم فی ترتیب الآی والسورالکریم اور فارسی تفاسیر؛ منہج الصادقین، تفسیر مولفہ جاناں بیگم، تفسیر شیخ یعقوب صرفی کشمیری کے ذکر کے ساتھ جزوی تفاسیر کا بھی تعارف کرایا ہے۔ مصنف محترم نے اس عہد کی تفسیری خدمات کے ضمن میں معروف تفاسیر قرآنی کے شروح وحواشی کو بھی اس بحث میں شامل کیا ہے، اور اسے اس عہد کی تفسیری خدمات میں شمار کیا ہے۔

باب پنجم 'قرآنی علوم کا ارتقاء عہد جہانگیری، شاہجہانی و عالمگیری کے ہندوستان میں' اس باب میں جیسا کہ عنوانِ باب سے ظاہر ہے، مغل بادشاہ، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں

قرآنی علوم کی خدمات پر بحث کی ہے۔اس میں نو (۹) نامور اساتذۂ تفسیر کے سوانح وکوائف کے ساتھ ان کی تفسیرِ قرآن میں مہارت کو اجاگر کیا گیا ہے۔مولفہ تفسیری کتب میں مکمل عربی اور فارسی تفاسیر کا تعارف کرایا ہے۔جزوی تفاسیر،قدیم تفاسیر کے شروح وحواشی،فن تفسیر،اصول تفسیر اور متعلقہ علوم پر مولفہ کتب کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

باب ششم 'دستور المفسّرین -تعارف وتجزیہ' اس باب میں عہد جہانگیری کی غیر مطبوعہ عربی تصنیف 'دستور المفسرین' کا تفصیلی تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے۔اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے مصنف عماد الدین محمد عارف عبد النبی بن سراج الدین شیخ عبداللہ الصوفی ہیں۔یہ کتاب ناسخ ومنسوخ کے مباحث سے تعلق رکھتی ہے۔اختلافِ آراء کے ذکر کے ساتھ ناسخ ومنسوخ آیات کی اقسام اور متعلقہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔مصنف اس کے تاحال طبع نہ ہونے پر شاکی ہیں اور کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر اس کی جلد اشاعت کی طرف اہل علم اصحاب خیر کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔

باب ہفتم 'ہندوستان کے حکمرانوں اور ان کے وزراء،امراء ومتعلقین کی قرآنی دلچسپیاں' اس باب کی ابتداء میں زیر بحث موضوع پر مواد کی عدم دستیابی کی وجہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: معاصر مؤرخین نے شاہی دربار کی سرگرمیوں،فوجی مہمات وفتوحات، انتظامی واقتصادی معاملات، تعمیری ترقیات،شاہی خاندان کے احوال وکوائف سے متعلق تفصیلات پیش کرنے پر زیادہ توجہ دی ہے۔علمی وادبی سرگرمیوں یا تصنیفی وتالیفی کارناموں کا تذکرہ کم ہوتا ہے یا ضمناً ہوتا ہے۔بہ طور دلیل علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اقتباس نقل کیا ہے۔اس باب میں سلاطین دہلی کی تلاوتِ قرآن کی پابندی کے حیرت انگیز واقعات ذکر کیے ہیں۔عہد سلطنت میں صحتِ مخارج کے ساتھ بچوں کو قرآن پڑھانے کا نظم، غلاموں رخادموں کے لیے قرآن کی تعلیم،کتابتِ قرآن سے بعض سلاطینِ دہلی کا شغف اور فنِ خطاطی کے فروغ میں بادشاہوں کی دل چسپی کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔اس باب کے مطالعے سے سلاطین، شہزادے،شہزادیاں،امراء اور وزراء کی قرآن سے دل چسپی کے متعدد تاریخی حوالے ملتے ہیں۔

یہ کتاب عہد اسلامی کے ہندوستان میں قرآنی علوم کے ارتقاء کی تاریخ کا مفصل ومدلل احاطہ کرتی ہے؛ گرچہ یہ کتاب مجلّہ ششماہی علوم القرآن (علی گڑھ) میں شائع ہونے والے مقالات کا مجموعہ ہے؛

لیکن موضوع کی یکسانیت ومناسبت اورابواب کی ترتیب میں ایسا حسن ہے کہ مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے۔ ہر باب میں تمہیدی گفتگو کے ساتھ خلاصۂ بحث بھی ہے۔جس سے باب کے مشتملات بآسانی ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ابواب کے حواشی ومراجع اخیر میں درج کیے گئے ہیں۔غالباً بحث طویل اور عبارت مزید بوجھل نہ ہواس لیے فارسی اقتباسات کا اردو ترجمہ نہیں دیا گیا ہے۔

یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ حوالے کا خصوصی اہتمام ،متن اورنصوص کا صحیح اندراج پروفیسر موصوف کی تحریر کا خاصہ ہے۔آپ کا یہ پہلو قابلِ تقلید ہے کہ جب تک حوالہ قطعی طور پر نہ معلوم ہو جائے ،درج نہیں کرتے گرچہ انھیں اس کے لیے کتنی ہی چھان بین کیوں نہ کرنا پڑے۔کتاب کی زبان عام فہم ،سادہ اور دل نشین ہے ،موضوع علمی ہونے کے باوجود قاری بے تکان پڑھتا چلا جائے۔علومِ قرآنی سے دل چسپی رکھنے والے اساتذہ اورطلبہ کے ساتھ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بھی مفید ہے جو عہداسلامی کے ہندوستان کی سنہری تاریخ دیکھنا چاہتے ہیں۔

اخبارِ جامعہ

مولانا مصباح الباری فلاحی

تعزیتی نشست: بیادمولانا نظام الدین اصلاحیؒ، منشی محمد انورؒ اورڈاکٹر یوسف القرضاویؒ

۲۷ر ستمبر۲۰۲۲ء بروز سہ شنبہ قاری محمد شاکر قاسمی کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ مولانا محمد عمران فلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ مولانا نظام الدین اصلاحیؒ جامعہ میں صدر مدرس رہے، جماعت کے ابتدائی ارکان میں سے تھے، آپ ایک کامیاب استاد تھے۔ منشی محمد انور صاحب نے اپنے خاندان کو تعلیم یافتہ بنایا، دینی وعصری تعلیم سے روشناس کرایا اور پورے خاندان کی نگرانی ونگہبانی بھی کی اور جامعہ کی عظیم خدمات انجام دیں۔ علامہ یوسف القرضاویؒ نے دنیا میں ایک تحریک پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ تمام ہی مرحومین کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے، آمین۔

مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، مولانا نظام الدین اصلاحی صاحبؒ کبھی گھبراتے نہیں تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ منشی محمد انور صاحب سے ہمیشہ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ علامہ یوسف القرضاویؒ خاص طور سے اہلِ جامعہ کو وقت دیتے تھے اور جامعۃ الفلاح کا بطورِ خاص ذکر کرتے تھے۔

منشی انور صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن فلاحی مدنی صاحب نے فرمایا کہ والد محترم (منشی محمد انور صاحبؒ) صرف ہمارے والد نہیں بلکہ پورے خاندان کے والد تھے، پورے خاندان کے لوگ ان کی بات کو قولِ فیصل مانتے تھے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ والد صاحب نے ہم لوگوں کی تربیت بہت ہی اچھے انداز سے کی۔ ان کے لین دین میں بہت شفافیت تھی، ہر ایک کے حسابات کو درج کرتے تھے، چھوٹی اور بڑی رقم کو ضرور نوٹ کرتے تھے، ہر چیز کو ریکارڈ کرتے تھے۔ یہ دواُن کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

منشی محمد انور صاحبؒ کے بھائی جناب نسیم احمد فلاحی صاحب نے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ منشی محمد انور صاحبؒ نے ۱۹۸۴ء میں باقاعدہ کلاسوں میں حفظ کا آغاز کیا، حالانکہ شعبہ حفظ تھا، لیکن باقاعدہ کلاس میں اس کا آغاز نہیں تھا۔ علاقے کے لوگ منشی محمد انور صاحبؒ کو اپنا سرپرست مانتے تھے اور ان کی بات کو تسلیم کرتے تھے۔

منشی انور صاحبؒ کے بھتیجے محمد اطہر نے فرمایا کہ منشی انور صاحبؒ ہمارے خاندان کے نگراں اور سرپرست تھے۔ وہ بہت ہی عبادت گزار تھے اور بہت ہی ایمان دار تھے، نظم کے پابند تھے۔

منشی انور صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن فلاحی نے فرمایا کہ علامہ قرضاویؒ نے اختلافی مسائل میں اچھی رائیں پیش کی ہیں۔ مولانا نظام الدین صاحبؒ کے درس میں بہت جان ہوتی تھی۔ اور والد صاحب نے اپنی حد تک اپنے سماج کو سنوارنے کی کوشش کی۔ وہ بہت ہی کم گو تھے اور ہر شخص کی بات کو پہلے سنتے تھے اور پھر فیصلہ کرتے تھے۔ کبھی گھبراتے نہیں تھے۔ ہر چیز کو سمجھ بوجھ کر پختہ فیصلہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، آمین!

مولانا نظام الدین اصلاحی صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا نصیر الدین فلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ والد صاحب کے اندر بہت ہمت تھی۔ آپ نے مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح میں طویل عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کے اندر گھبراہٹ نہیں تھی۔ منشی محمد انور صاحب بہت ہی منکسر المزاج تھے اور لین دین میں بہت ہی شفافیت تھی۔ علامہ قرضاویؒ علمی اور تحریکی دونوں تھے۔

حافظ اسامہ عظیم فلاحی نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ آخر کے دو سال تک میری مولانا سے کافی قربت ہوگئی تھی اور ان سے بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ دعوت اور زندگی نو کے ۱۹۴۹ء سے اب تک کے نسخے مرتب انداز میں ان کے پاس موجود تھے۔ اکثر معاملات میں میں ان سے مشورہ کرتا تھا۔ وہ بہت ہی عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ مولانا کو کوئی بیماری نہیں تھی، مولانا نے خود اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں بڑی سے بڑی بات پر بھی ٹینشن نہیں لیتا۔

ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ جامعہ کی تعمیر و ترقی میں منشی محمد انور صاحبؒ کا اہم رول رہا ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحبؒ کی نظامت میں منشی محمد انور صاحبؒ نائب ناظم تھے اور دیکھ ریکھ کرتے تھے۔ اس جامعہ کو آگے بڑھانے میں منشی محمد انور صاحبؒ کا بہت ہی اہم کردار رہا ہے۔

مولانا نظام الدین اصلاحیؒ بہت ہی فعال اور متحرک شخص تھے۔ مدرسۃ الاصلاح میں تدریسی خدمات

انجام دیں، مدھیہ پردیش کے امیر حلقہ ہوگئے اور ۱۹۷۲ء میں جامعہ تشریف لائے اور ۱۹۸۳ء تک جامعہ سے منسلک رہے، پھر گجرات کے امیر حلقہ ہوئے اور سات سال بعد دوبارہ مولانا جامعۃ الفلاح تشریف لائے۔ نو مسلم بھائی بہن کے بارے میں مولانا نے بے مثال ثابت قدمی دکھائی اور جیل بھی گئے۔ مولانا نے تحریک کی بڑی خدمت کی۔ اِس وقت آپ مسلم مجلس مشاورت کے سب سے معمر رکن تھے۔

علامہ یوسف القرضاویؒ ایک مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، نئے مسائل میں بڑی بڑی اکیڈمیاں ان سے رہنمائی حاصل کرتی تھیں، تمام تحریکات کی رہنمائی کرتے تھے، حالات پر آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ جامعہ بھی تشریف لا چکے ہیں۔ آپ کی دوسو سے زائد کتابیں ہیں۔ قلم اور خطابت دونوں کے شہسوار تھے۔ زبردست مصنف تھے۔ مصر میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ایک عرصہ سے قطر میں مقیم تھے۔ آپ کی بہت سی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ تینوں ہی بزرگوں کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین!

نظامت کے فرائض مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے انجام دیے۔ اس نشست میں اساتذۂ کرام، طلبہ اور مرحومین کے اہلِ خانہ شریک ہوئے۔

اخبار انجمن

انجمن طلبہ قدیم قطر کی روٹینی میٹنگ

۲۳ ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء فلاحی برادران کی ایک میٹنگ (مرکز بن عمران) میں منعقد ہوئی۔ جس کا بابرکت آغاز حافظ ابوطاہر فلاحی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

سکریٹری یونٹ نیاز احمد فلاحی نے تمام شرکاء کو خوش آمدید کرتے ہوئے کہا کہ ایک لمبی مدت کے بعد باہم مل بیٹھنے کا موقع میسر ہوا۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ آج ہم پھر جامعۃ الفلاح اور انجمن کی نسبت سے اکھٹا ہوئے ہیں۔ آپ نے قطر میں نو واردان جناب محمد حارث و جناب شاداب عالم اور جناب عبدالمتین کا یونٹ کی جانب سے استقبال کیا اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

جناب اشتیاق عالم فلاحی نے (زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير) پر ایک جامع تذکیر کی۔ تعلق باللہ، دنیا میں رہتے اللہ سے تعلق کو مضبوط بنائے رکھنے اور دینی ذمہ داریوں کی تئیں بیدار رہنے اور اسے پورا کرتے رہنے کی جانب توجہ دلائی۔

یونٹ کی نائب صدر اور تعاون جامعہ بمد مشاہرہ اساتذہ کے ذمہ دار جناب طارق سلیم فلاحی نے اس مد کی تفصیلات سے آگاہ کی اور بتایا کہ جو تعاون ۲۰۱۴ء میں شروع کیا گیا تھا، کورونا کی وجہ سے مشکل حالات کے باوجود الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب یہ تعاون جامعہ کو مشاہرہ اساتذہ کے مد میں جاتا ہے۔ قطر میں جامعہ سے متعلق امور کے ذمہ دار جناب افضال احسن فلاحی نے رمضان میں مولانا رحمت اللہ اثری مدنی صاحب کی آمد کے موقع کی مختلف کارگزاریاں پیش کی اور مستقبل سے متعلق لائحہ عمل کا خاکہ پیش کیا۔

یونٹ کے صدر جناب فیاض احمد فلاحی مدنی نے اپنے صدارتی کلمات میں فلاحی برادارن کی آمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت اہم امور کی طرف فلاحی برادان کی توجہ مبذول کرائی کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور اللہ تعالی نے ہمیں بہت ساری نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کی قدر کریں اور اسے فی سبیل اللہ استعمال کریں۔

یونٹ کے سرپرست جناب محمد اکرم فلاحی نے پروگرام کے اخیر میں بہت ہی قیمتی نصیحتیں کی اور فرمایا کہ آپ حضرات قطر میں رہتے ہوئے یہاں پر ہورہی دیگر بہت ساری دینی اور فلاحی سرگرمیوں میں بھی شرکت کریں۔ عوام کو فلاحی برادران سے بہت ساری امیدیں ہیں انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔

شرکاء میٹنگ نے مختلف موضوعات پر اپنے اپنے خیالات رکھے اور اپنی آراء کا اظہار کیا۔ اس اوپن ڈسکشن میں کئی مشورے سامنے آئے۔

(۱) مالی مشکلات کی بنا پر انجمن ہاسٹل کی تعمیر وتکمیل میں رکاوٹ آرہی ہے۔ فلاحی برادران اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔

(۲) جامعہ کے خود کفیل ہونے اور ذرائع آمدنی کے سلسلے میں مختلف پلان بنے جن میں سے بعض پر کام ہوا جیسے دوکانیں اور ہاسپٹل اور بعض پر کچھ نہ ہوسکا۔ یونٹ کی سطح پر کچھ ذرائع آمدنی پیدا کرنے کی صورتیں تلاشی جائیں اور اس کے ممکنہ عملی خاکے کے سلسلے میں غور وفکر کیا جائے۔

(۳) مولانا رحمت اللہ اثری صاحب کی درازی عمر اور صحت کو دیکھتے ہوئے جامعۃ الفلاح ان کے ساتھ کسی اور ذمہ دار کو بھی یہاں بھیجتا رہے جو بعد میں ان کا متبادل بن سکے اور ان کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتا رہے۔

میٹنگ کے اختتام پر تمام شرکاء نے اجتماعی کھانا کھایا۔ باہمی ملاقات اور خیر وعافیت کا تبادلہ ہوا۔

میٹنگ میں (۲۷) فلاحی برادران شریک رہے۔

میٹنگ رپورٹ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح۔کویت یونٹ

۷ اکتوبر ۲۰۲۲ بعد نماز عصر بحمد اللہ وفضلہ وقت متعین پر نشست کا آغاز برادر وقار ارشد فلاحی کی تلاوت قرآن کے ذریعہ ہوا،صدر یونٹ برادر محمد سموئیل فلاحی صاحب نے تذکیری کلمات بعنوان''انفاق فی سبیل اللہ اہمیت وافادیت''پیش کیا۔

برادر محمد عمر فلاحی صاحب خازن یونٹ نے پچھلے چند ماہ کی مالی رپورٹ پیش کی اور انجمن ہاسٹل پروجیکٹ سے متعلق جن ممبران نے مالی تعاون کا وعدہ کیا تھا اس کی یاد دہانی کرائی اور اکثریت نے اپنا تعاون جلد ادا کرنے کی یقین دہانی کرائی اور ماہانہ تعاون جمع کریا۔

حال میں جامعہ کی طرف سے آنے والے مختلف چھوٹے بڑے مشروعات کا تفصیلی خاکہ پیش کیا اور اس میں ممبران کے تعاون پر اظہار خیال کیا گیا اور کچھ کی کفالت لینے پر غور وفکر کیا گیا۔

اس اتفاق کے ساتھ نشست کا اختتام ہوا کہ ماہ نومبر میں مؤسس یونٹ ڈاکٹر رضوان رفیقی فلاحی کی آمد پر ایک مختصر نشست پھر سے منعقد ہوگی اور دیگر علاقائی محسنین وخیر خواہان کو یونٹ سے منسلک کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے گی کنوینگ کے فرائض یونٹ سکریٹری برادر خورشید فلاحی نے انجام دیے اور مجلس کی دعا کے ساتھ نشست مکمل ہوئی۔

انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ کا انتخاب

۲۷ نومبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی،مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی اور صدر انجمن جناب ابوالاعلی سید سبحانی کی موجودگی میں انجمن طلبہ قدیم،دہلی یونٹ کا انتخاب ہوا۔نئی ٹیم کی تشکیل کا عمل نومنتخب صدر یونٹ برادر رفعت کمال فلاحی کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچا،اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

صدر یونٹ: برادر رفعت کمال فلاحی

سکریٹری یونٹ: برادر محمد ارشاد عالم فلاحی

خازن: برادر محمد عمران فلاحی

اللہ رب العزت نئی ٹیم کو بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے،آمین۔اس انتخابی نشست کا اختتام مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی کی دعا پر ہوا۔

مسلم یونیورسٹی میں انجمن طلبہ قدیم جامعہ الفلاح کی شاخ کے تحت اجتماع احباب

آپ کو اپنی شخصیت کی پہچان ہونی چاہیے آپ نے جامعۃ الفلاح سے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی ہے یہ دنیا کی بہت بڑی نعمت ہے قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے والے انبیاء کے وارث ہوتے ہیں آپ انبیاء کے وارث ہیں۔ملکی وعالمی سطح کی متعدد بڑی شخصیات رخصت ہوتی جارہی ہیں۔مولانا سید جلال الدین عمری، مولانا نظام الدین اصلاحی ،مولانا عبدالعلیم اصلاحی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، اور پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی وغیرہ نے علم وتحقیق کے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، وہ امت اسلامی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ان کی خدمات کو محفوظ رکھنا اور ان سے زادراہ حاصل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔اب امت کی رہبری ورہ نمائی کی ذمہ داری آپ پر عاید ہوتی ہے ان خیالات کا اظہار سابق شیخ التفسیر مولانا محمد اسماعیل فلاحی نے ۲۰؍نومبر ۲۰۲۲ء کو سرسید ہال ساؤتھ کے تاریخی کامن روم میں میں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح،علی گڑھ یونٹ کی جانب سے منعقد ہونے والے پروگرام اجتماع احباب میں کیا۔موصوف نے فارغینِ فلاح کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ آپ مسلسل محنت کریں، سابقہ علم کے لیے روزانہ وقت نکالیں، اللہ سے اپنا تعلق نماز کے ذریعے مضبوط کریں۔جامعۃ الفلاح ہماری مادرِ علمی ہے، ہماری بنیاد ہے، ہمارا جامعۃ الفلاح سے وہی تعلق ہونا چاہیے جو ایک بچے کا اپنے والدین سے ہوتا ہے۔

صدر یونٹ ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہندوستان میں مسلمانوں کا دھڑکتا دل ہے۔ جامعۃ الفلاح کے طلبہ کے داخلے سابق وائس چانسلر پروفیسر محمد خسرو کے زمانے (1974-1979) میں 1977 شروع ہوگئے تھے، ان ہونہار فلاحی طلبہ نے اپنی محنت اور توفیق الٰہی سے یونیورسٹی میں امتیازی نمبرات سے کامیابیاں حاصل کیں اور تدریس کے متعدد شعبوں سے وابستہ بھی ہوئے۔ڈاکٹر فلاحی نے کہا کہ جب تک جامعۃ الفلاح کا دیگر یونی ورسٹیوں سے الحاق نہیں تھا، تو یہاں فارغین فلاح کی بڑی تعداد جمع ہوا کرتی تھی اور انجمن طلبہ قدیم کی علی گڑھ یونٹ سب سے زیادہ فعال اور سرگرم رہتی تھی۔آج ہم اور آپ جامعۃ الفلاح سے تعلقِ خاطر کی بنا پر یہاں جمع ہوئے ہیں فارغینِ فلاح دیگر علمی اداروں میں بھی علم وتحقیق کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی تحقیقات اور تصنیفات کی بھرپور حوصلہ افزائی ہونا چاہیے۔

مہمان خصوصی ڈاکٹر ملک رشید احمد ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ علم کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے وجود

کے بارے میں غور کریں، اپنے آپ کو پہچانیں جامعۃ الفلاح علم کا ایک سمندر ہے، آپ اس کے چنندہ موتی ہیں آپ کارآمد انسان اپنے اور سماج دونوں کے لیے بنیں۔ موصوف نے افسوس کا اظہار کیا کہ آج ہمارے اندر ذوقِ نغمہ کم ہوتا جارہا ہے، اسے پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔

اعظم گڑھ سے تشریف لائے استاذ جامعۃ الفلاح مولانا عبدالعظیم فلاحی نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ میں یہاں آپ سے مخاطب ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ صدر یونٹ نے مجھے عزت بخشی۔ موصوف نے کہا کہ زمانہ طالب علمی میں آپ جتنی محنت کریں گے، اتنی ہی کامیابی ملے گی یہاں آپ کو جامعۃ الفلاح کی طرح کوئی جگانے والے نہیں ملے گا، وہاں جس ذمہ داری، احساس اور فکرمندی کے ساتھ آپ کی تعلیم وتربیت توجہ دی جاتی تھی، یہاں آپ کو ایسا ماحول نہیں ملے گا یہاں آپ کو اپنی فکر خود ہی کرنا ہوگی آپ کے اندر طاقت ہے، قوت ہے، جوش ولولہ ہے، اس لیے اپنے وقت کا صحیح استعمال کیجیے۔

برادر ریحان بدر فلاحی اور ان کے ساتھیوں نے ترانہ فلاح: بینار فلاح خوش الحان آواز میں پیش کیا۔ اور سامعین کو درودیوار فلاح کی آغوش میں پہنچادیا۔ اس پروگرام کو علمی رخ دینے کے لیے مقالہ کی خواندگی کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ سکریٹری انجمن نعمان بدر فلاحی نے ''ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: شخصیت کے چند امتیازی گوشے'' کے زیر عنوان وقیع مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے مرحوم کی ابتدائی تعلیم، فکری اٹھان، سید مودودی اور دیگر مشاہیر سے مراسلات، ثانوی درس گاہ ملیح آباد اور رامپور کا قیام اور وہاں ڈاکٹر صدیقیؒ کا اکابرین جماعت سے استفادہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تعلیم، شعبہ معاشیات میں تدریس، شعبہ اسلامیات میں پروفیسر شپ اور دورِ سربراہی پر روشنی ڈالی انھوں نے کہا ڈاکٹر صدیقی کی تصنیفی زندگی کا آغاز 1949 سے ہوا اور متعدد علمی وفکری کتابیں تیار کیں۔

اس پروگرام کا ایک اہم جزو ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی کی تازہ تصنیف ''رطب ویابس'' کا 'رسم اجراء' تھا۔ اسٹیج پر موجود اساتذہ ومہمانان کے ذریعے کتاب کی رونمائی کی گئی۔ رسم اجراء کے بعد ڈاکٹر آفتاب عالم نجمی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو نے کتاب کے مشمولات کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب ادبی صحافت کا بہترین نمونہ ہے مصنف نے اس میں ۲۲ سالہ صحافتی خدمات کو سمودیا ہے اس کتاب میں جامعۃ الفلاح، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی اور تحریک اسلامی کی علمی سرگرمیوں کو شامل کیا ہے۔ موصوف نے کہا ادبی صحافت کیا ہے، اس کتاب کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے اس کتاب میں زبان، بیان اور اسلوب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کتاب کا تیسرا باب ''تحریک اسلامی کی علمی وفکری رفتار'' بہت اہم

ہے۔اس کے ذیلی عناوین :' فکر اسلامی کی تشکیل نو، تکثیرت بھارت کے مذاہب کی مشترکہ صفت، ٹائم منیجمنٹ کے ذریعہ ایک طالب علم عبدالکلام بن سکتا ہے' وغیرہ کافی چشم کشا ہیں۔ یہ کتاب طلبہ کے ذہنی افق کو وسیع کرتی ہے۔ڈاکٹر نجمی نے مصنف کتاب کو مبارک باد پیش کیا اور سامعین نے ڈاکٹر فلاحی کی علمی رفتار میں تیز گامی کے لیے دعائیں کیں۔

پروگرام کے اختتام پر خازن انجمن علی گڑھ یونٹ ڈاکٹر منہاج الدین فلاحی نے کلمات تشکر پیش کیا۔انہوں نے اساتذہ کرام، مہمانان خصوصی، منتظمین اور تمام حاضرین کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا۔ اس پروگرام کا آغاز عبیداللہ فلاحی اسکالر ادارہ تحقیق کی تلاوت قرآن سے ہوا نظامت کے فرائض محمد ثاقب فلاحی نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ پروگرام کے اختتام پر شرکاء نے عشائیہ تناول کیا، یوں اس پروگرام کا خوبصورت اختتام ہوا۔

ساتواں اجلاس عام انجمن طالبات قدیم کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح

انجمن طالبات قدیم کا سہ روزہ ساتواں اجلاس عام 6، 7، 8 نومبر 2022ء بروز اتوار، دوشنبہ، منگل مادرعلمی کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوا جس کا مرکزی موضوع ''وأنیبوا الی ربکم'' تھا۔

۶ رنومبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار اجلاس کے افتتاحی سیشن کا آغاز محترمہ عائشہ ابواللیث فلاحی صاحبہ معلّمہ شعبہ حفظ کی قرأت سے کیا گیا۔اس کے بعد فارغات کلیۃ البنات نے ترانہ جامعہ پیش کیا۔محترم حافظ احسان الحق صاحب استاد تفسیر کلیہ نے سورۃ آل عمران آیت 133 تا136 جامع درس پیش کیا ،جس میں مؤمنین کے اوصاف کی وضاحت کی کہ ایک مؤمن عفوودرگزر سے کام لیتا ہے، جذبات کو قابو میں رکھتا ہے،اس کے دل میں مال کی محبت نہیں ہوتی ،ایسے مومنین کے لیے ایسی جنت کی بشارت ہے جس کی پیائش محال ہے۔اس کے بعد صدر انجمن محترمہ ساجدہ ابواللیث فلاحی نے استقبالیہ کلمات پیش کیے،جس میں انھوں نے اپنی فارغات بہنوں کو انجمن کے مقاصد کو بروئے کار لانے کی تلقین کی نیز فارغات کو منظّم کرنا اور جامعہ کے مقاصد کو حاصل کرنا ہی قیام انجمن کا بنیادی مقصد بتایا۔اجلاس کے مرکزی موضوع ''انیبواالی ربکم'' کی وضاحت کرتے ہوئے اس کو ذہنوں میں مستحضر رکھنے پر بھی زور دیا۔انھوں نے کہا کہ فارغات اسلام کو ہمہ جہتی زندگی میں ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے نافذ کریں۔آج اگر انسانیت کو کہیں امن وامان اور قلبی سکون حاصل ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

استقبالیہ کلمات کے بعد سکریٹری انجمن طالبات قدیم محترمہ عارفہ زینب صاحبہ نے انجمن کی رپورٹ بہت ہی جامع انداز سے پیش کی جسے الگ سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ بعدہ ناظمہ اجلاس کی جانب سے شرکاء اجتماع کو ہدایات دی گئیں۔ پھر اس کے بعد خطابات کا سلسلہ چلا، کلیدی خطبہ محترم جناب ناظم صاحب مولانا طاہر مدنی کا تھا، انہوں نے فارغات کو پیغام دیتے ہوئے بتایا کہ کسی بھی ادارے کا اصل تعارف اس کے فارغین وفارغات ہیں آپ جامعہ کی شناخت ہیں۔ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے غمگسار ہوتے ہیں، اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہماری ذمہ داری ہے، فارغات جہاں بھی ہوں ان کے اوصاف مومنانہ ہوں نیز مادرعلمی سے اپنا تعلق مستحکم رکھیں، اور اس کی تعمیر وترقی میں بھرپور حصہ لیں۔

مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے اپنے پیغام میں فرمایا کہ ''اگر گھر کے اندر بہن بیٹیوں کا ایمان مضبوط نہیں ہے تو صرف مردوں سے انقلاب نہیں آسکتا، زندہ ماں باپ کے یتیم بچے جو دیر رات تک گلیوں میں گھومتے ہیں ان کی تربیت کی ذمہ داری بھی آپ پر ہے۔''

محترم مہتمم جامعہ مولانا جاوید سلطان صاحب نے ''عصر حاضر میں خواتین کے درپیش چیلنجز: اسباب و حل'' کے موضوع کے تحت فرمایا کہ ایمان کی کمزوری، عقیدے سے دوری، الحاد، سیکولرزم، مخلوط تقریبات، مخلوط تعلیمی نظام درپیش چیلنجز ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ بچوں کو صحیح عقیدے کی تعلیم اور دین کے اساسات کو سمجھائیں۔

اخیر میں خطابات کے بعد بطور زادرہ معتمد مال ڈاکٹر ابوشحمہ صاحب نے فارغات کو یہ پیغام دیا کہ کتابوں سے آپ کا رشتہ ٹوٹنا نہیں چاہیے کیونکہ علم کی بدولت آپ کا ایک مقام ہے جامعہ سے حاصل کردہ علم آپ کے پاس قرض ہے جس کی ادائیگی مادرعلمی، والدین، سماج، ملک وملت کو لوٹانا ہے۔

وقفہ کے بعد اجلاس دوم کا آغاز ہوا جو کہ اصلاحی سیشن تھا جس میں ''تعمیر شخصیت کیوں اور کیسے'' کے موضوع پر ایک مذاکرہ کا انعقاد کیا گیا کیا۔

جس میں تعمیر شخصیت کے بنیادی اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے محترمہ ثمرہ یعقوب فلاحی بلریا گنج نے کہا کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں، جس کی تخلیق اللہ نے انتہائی اہتمام سے کی ہے۔ دنیا میں آتے ہیں کان میں اذان، عقیقہ کا اہتمام، اچھے نام کا انتخاب اس کا بین ثبوت ہے، تو ہم ایسی شخصیت بنیں جو سماج کے لیے مفید ہو۔ دوسرے عنوان ''نسل نو کا اخلاقی زوال اسباب وحل پر ساجدہ منور فلاحی صاحبہ بھیونڈی نے روشنی ڈالی جس میں

انہوں نے سوشل میڈیا کو بگاڑ کا بڑا سبب بتاتے ہوئے ہوئے والدین کو کنٹرول کی طرف توجہ دلائی کہ بچوں کے ذہن میں میں عقیدہ آخرت اور جواب دہی کا احساس پختہ کریں بچوں کی نفسیاتی، معاشرتی، وجذباتی تربیت ضروری کیوں؟ کے عنوان پر محترمہ مروہ عبدالعظیم فلاحی نے کہ انسان دو چیزوں کا مرکب ہوتا ہے خَلق اور خُلق انسان کا اخلاق اور کردار عادات واطوار۔جسم تو کائنات کی ہر مخلوق کے پاس ہے لیکن کردار واخلاق شخصیت انسانی کا ممتاز حصہ ہے۔نوجوانوں میں قائدانہ صلاحیتوں کا ارتقاء کیوں اور کیسے؟ کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے محترمہ رابعہ فلاحی صاحبہ نے کہا کہ نوجوان کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور ریڑھ کی ہڈی کا معمولی سا بھی نقص پورے جسم کو خراب کر دیتا ہے انسان کو اللہ نے خلیفۃ الارض بنایا ہے اس حقیقت کو یاد رکھنا ضروری ہے۔محترمہ ناصحہ رئیس فلاحی صاحبہ نے صالح معاشرے کی تعمیر میں فارغات کا کردار کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اصلاح معاشرہ کا کام بھی اب رسمی سا ہو کر رہ گیا ہے۔ضروری ہے کہ اب برائیوں کے اسباب پر بھی غور کیا جائے اور خاتمے کی کوشش عملی اقدام سے کی جائے فارغات اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے مستعد ہوں۔مذاکرے کے صدارتی کلمات میں محترمہ نصرت یاسمین صاحبہ نے کہا کہ شخصیت کے ارتقاء کے سلسلے میں انتہائی قیمتی باتیں سامنے آئیں واقعی آج ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو معاشرے میں فعالیت پیدا کریں۔

اسی سیشن میں صالح افراد کی تیاری میں خواتین کا رول پر محترم طاہر جمال صاحب انچارج شعبہ خواتین جماعت اسلامی ہند یوپی مشرق نے گفتگو کی اور فرمایا کہ بچہ ماں کا تابع ہوتا ہے لہذا ماں کا فرض ہے کہ بچے کی عمدہ تعلیم وتربیت کرے۔بعدِ مغرب تعارفی سیشن کا انعقاد ہوا جس میں فارغات جامعہ نے ایک دوسرے کے تعارف اور سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی جس کے ذریعے الحمدللہ رابطے استوار ہوئے اور حوصلوں کو بلندی ملی۔چونکہ فارغات جامعہ میں شاعرات کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے لہٰذا ان کے ذوق کی تسکین وجلا کے لیے محترمہ آسیہ صاحبہ معلّمہ شعبۂ اعلیٰ کی صدارت میں ایک ادبی نشست کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں متعدد فلاحی بہنوں نے سامعات کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

۷/نومبر ۲۰۲۲ء اجلاس کا دعوتی سیشن نحلہ سلامت فلاحی صاحبہ کی قرات سے آغاز،عزیزہ شفا سلمھا کی پر سوز آواز میں نعت پیش کی گئی جس کے بعد شگفتہ فلاحی صاحبہ معلّمہ شعبہ اعلیٰ نے درس حدیث پیش کر کے خواتین کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں،جس کے بعد انتہائی اہم موضوع امت مسلمہ مشن اور خود شناسی کے عنوان پر سیمنار کا آغاز ہوا جس میں محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی صاحبہ نے اپنے قرآن مجید کا تصور حیات اور فوز وفلاح کے تحت

فرمایا کہ قرآن جامع نظام ترجیحات رکھتا ہے وہ حلات کے پیچھے نہیں دوڑتا بلکہ ان کو آپنی گرفت میں لے کر انہیں صحت مند انسانی مقاصد اور ضروریات کے لیے سازگار بناتا ہے اور ایک متوازن شخصیت کا حامل اور عدل وانصاف سے ہم کنار کرتا ہے۔ راہ سعادت کی مطلوبہ صفات اور ذمہ داریاں کے عنوان پر گفتگو میں محترمہ قریشہ صاحبہ مالیگاؤں نے داعی کی جملہ صفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری ذمہ داری ہے فریضہ دعوت کی ادائیگی میں اپنا حصہ ہر ممکن طریقے سے ادا کریں۔ امت مسلمہ کے داخلی مسائل اوران کا حل کے عنوان سے اسماء فیروز حیدرآباد کا مقالہ فاطمہ زہرہ السعیدی فلاحی بستی نے پیش کیا۔ ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی اعظم گڑھ نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی عصر حاضر کے تناظر میں، کے عنوان پر گفتگو میں مسلمانوں کا تعلیمی تجزیہ پیش کیا اور مسلم خواتین کو مفید مشورے دیے۔ مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب اور ترقی کے لیے لائحہ عمل پر محترمہ غزالہ افروز صاحبہ گونڈہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو انحطاط وتنزلی سے کیسے نکالا جائے؟ انھوں سے عراق فلسطین شام وغیرہ کے حالات کو بتاتے ہوئے خوداعتمادی کی کمی کو مغلوبیت کا سبب بتایا۔ ’فریضہ اقامت دین اور ہم فارغات‘ کے تحت ڈاکٹر تبسم صاحبہ نے کہا کہ اقامت دین کے مقصد زندگی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کا شعور حاصل کرنے کی تلقین کی۔ حالات حاضرہ میں قرآن مجید کی فکری وعملی رہنمائی کے عنوان پر تمنا مبین صاحبہ کے مقالے کو محترمہ نورالصباح فلاحی صاحبہ نے پیش کیا جس میں انہوں نے قرآن مجید کو لاثانی معجزہ قرار دیتے ہوئے فکری وعملی رہنمائی حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

اپنے صدارتی کلمات میں محترمہ عطیہ صدیقہ صاحبہ مرکزی سکریٹری شعبہ خواتین جماعت اسلامی ہند نے جملہ مقالہ نگاروں کی تشجیع کرنے کے بعد فرمایا: ابھی دونوں خوف کو وڑ واین کو دیکھ کر ہم گزرے ہیں۔ ہمیں اپنے مشن کے لیے لائحہ عمل تیار کر کے خودشناسی کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنا ہے، درپیش موضوع بحث پر انہوں نے گفتگو کرتے ہوئے چیلنجز میں مواقع تلاش کرنے کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ یہ آزمائشیں ہیں جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ہمیں ان آزمائشوں کے درمیان سے ہی راستے تلاش کرنے ہیں ہمیں اپنے اندر مضبوطی پیدا کرنی ہوگی اور مسائل پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا۔

اختتامی سیشن: محترمہ سمیہ سبحانی صاحبہ کی مختصر تقریر کے بعد، اقامتِ دین اور اس کا طریقہ کار، کے عنوان پر جناب ولی اللہ سعیدی فلاحی ’اقامتِ دین کے طریقہ کار‘ میں پہلی چیز فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا: ’’آپ امت مسلمہ ہیں اور اسلام حق کا علمبردار ہے نظریہ عدل وقسط اسلام کی شناخت ہے لہذا عافیت وعدل وانصاف اسلام کی پیروی اور اس کے قیام میں ہے۔‘‘

بعد ازاں بہنوں کی طرف سے بہت ہی عمدہ تاثرات سامنے آئے نیز طالبات کلیۃ البنات درجہ اول تا فضیلت ثانیہ پوزیشن لانے والی طالبات کو انجمن طالبات قدیم کی جانب سے انعامات سے نوازا گیا، محترمہ آسیہ صاحبہ ناظمہ اجلاس نے اپنے اختتامی کلمات میں کہا کہ محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ نے اپنے اختتامی کلمات میں فارغات کو پیغام دیتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ حسنِ عمل کے تعلق سے اللہ کے رسول نے فرمایا: **ان اللــــه يحب من العامل اذا عمل ان يحسن**، تو ہمیں حسنِ عمل کا پیکر ہونا چاہئے نیز دنیا کی حقیقت کو ہمیشہ ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئے اور گناہ خواہ ظاہر میں ہو یا پوشیدہ ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اجلاس کے ذریعے سے ہم فارغات بہنوں نیز تمام خواتین وطالبات کے لئے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہم اپنے افکار ونظریات کو دینی اصولوں پر قائم رکھیں نیز اجتماعی احساس کی قوت کو تیز کریں۔

محترمہ سلمیٰ سجاد صاحبہ معاون ناظمہ اجلاس کے کلماتِ تشکّر پر یہ اجلاس الحمدللہ بحسن وخوبی اختتام کو پہنچا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سامعات کے قلب وذہن پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کرے آمین

۸نومبر۲۰۲۲ء بروز منگل ۹ تا۱۲ بجے، طالبات کے تعلیمی مظاہرے اور انجمن کے انتخابی سیشن پر مشتمل متوازی پروگرام تھا۔ انتخابی سیشن کا آغاز قراءتِ قرآن کے بعد محترمہ سلمیٰ سلامت فلاحی محاسب انجمن کی درس حدیث سے ہوا، جس میں انھوں نے بہت ہی جامع انداز میں درس حدیث پیش کرکے فارغات کو حق رائے ایک امانت اور اسلام میں شورائیت کی اہمیت وافادیت کو واضح کیا۔ اس کے بعد انتخابی کمیٹی کے زیرنگرانی صدر انجمن اور شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا۔ طالبات کلیۃ البنات کے تعلیمی مظاہرے کا انعقاد محترمہ عطیہ صدیقہ صاحبہ کی زیر صدارت ہوا، جس میں طالبات نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید اور ذمہ داران جامعہ ومعلمات کلیۃ البنات کے مخلصانہ تعاون سے یہ ساتواں اجلاس عام بحسن خوبی اختتام پزیر ہوا۔

اس اجلاس کے مختلف سیشن میں نظامت کے فرائض محترمہ شبانہ خورشید فلاحی، محترمہ سفانہ کمال فلاحی، محترمہ ریحانہ فلاحی، محترمہ عطیہ نیاز فلاحی ومحترمہ کلثوم طاہر فلاحی ومحترمہ قریشہ فلاحی نے انجام دیے اور چار ہزار سے زائد فارغات وطالبات اور خواتین نے شرکت کی۔

(عارفہ زینب فلاحی سکریٹری انجمن طالبات قدیم)